سپیدۂ سحر

اور ٹمٹماتا چراغ

اسلامی دستور سمجھے جانے والے دستورِ پاکستان کا
شریعت کی روشنی میں محاکمہ

بقلم:
شیخ أیمن الظواهري

ترجمہ:
مولانا عبد الصمد

ادارۂحطین کی پیشکش

سپیدۂسحر
اور ٹمٹماتا
چراغ

اسلامی دستور سمجھے جانے والے دستورِ پاکستان کا
شریعت کی روشنی میں محاکمہ

شیخ ایمن الظواھری حفظہ اللّٰہ
مترجم : مولانا عبدالصمد رحمہ اللہ

یونی کوڈ ورژن:

انٹرنیٹ ایڈیشن :

مسلم ورلڈڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
http://www.muwahideen.co.nr
http://tawhed.co.nr

نام کتاب: سپیدۂ سحر اور ٹمٹماٹا چراغ
نام مؤلف: شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ
تعداد: ۲۰۰۰
تاریخ اشاعت: ذالحجہ ۱۴۳۰ھ
ناشر: ادارۂ حطین
قیمت:
یونی کوڈ ورژن: الموحدین اسلامی لائبریری

انتساب

خطۂ اسلام ”پاکستان “میں بسنے والے
علمائے عظام ،مدارس کے طلبائے کرام،
جدید تعلیم یافتہ نوجوانانِ اسلام ،مذہبی جماعتوں کے قائدین وکارکنان
اور ان تمام مسلمانوں کے نام
جن کے سینوں میں یہ تڑپ اور دلوں میں یہ تمنا ہے کہ
پاکستان میں عملاً شریعتِ مطہرہ کا نفاذ ہو
اور حقیقی معنوں میں پاکستان یعنی ”پاک سر زمین“بن جائے

فہرست

تفصیلی فہرست

حاکمیت کس کا حق ہے؟

عرضِ ناشر

سرزمینِ پاکستان.........جسے قریباً ساٹھ سال قبل لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کے عوض حاصل کیا گیا تھا کہ اسے اسلام کا قلعہ بنایاجائے گا.........آج نہ صرف اسلام ،نظام خلافت اورنفاذ شریعت سے محروم ہے بلکہ دینِ اسلام اورنفاذِ شریعت کے خلاف برسرپیکار ہے ۔آج پوری ریاستِ پاکستان مجاہدین عالم کے خلاف طاغوتِ اکبر 'امریکہ'کی فرنٹ لائن اتحادی ہے۔یقیناً اس کی کچھ بنیادی وجوہات ہیں.........فی الحقیقت مسئلہ حکمران طبقہ کا نہیں بلکہ نظامِ سلطنت خود فساد پر کھڑا ہے۔

وہ شے جسے آج تک 'اسلامی تشخص ' کانام دیا جاتارہا ہو سوائے فریب کے اور کچھ نہیں ۔وہ ریاست جسے واحد'اسلامی ریاست' کہا گیا ....انہی بنیادوں پر قائم ہے جو مغربی تصورِ ریاست کی فراہم کردہ ہیں۔وہ دستور جس کے ذریعے اس ریاست کو کلمہ

پڑھایاگیا.........خود اسلام سے متصادم اور نفاذِ شریعت کی راہ میں حائل ہے۔

پاکستان میں بسنے والے اہلِ ایمان بالخصوص علمائے دین اور سنجیدہ طبقوں کو ان وجوہات پر غور کرنا چاہئے تاکہ ہم اپنی جدوجہد کو صحیح رخ دے سکیں اور حق کے آئینے میں اپنے فرائض کا تعین کرسکیں ۔اسی دعوتِ فکر وعمل کی غرض سے ادارۂ حطین کتاب''سپیدۂ سحر اور ٹمٹاتا چراغ'' شائع کررہا ہے۔یہ کتاب جو اس آپ کے ہاتھوں میں ہے ،قائدِ جہاد شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کی تصنیف ''الصبح والقندیل'' کا اردو ترجمہ ہے۔اس کتاب میں محترم قائد پاکستان کے دستور کو زیرِ بحث لائے ہیں کہ جسے اسلامی تصور کیا جاتا ہے ۔آپ نے شریعت کی روشنی میں اس کا محاکمہ کیا ہے اور دلائلِ شرعیہ کی رو سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ یہ دستور شریعت سے متصادم اور غیر اسلامی ہے۔نیز آپ نے اہل پاکستان کے سامنے وہ رہنما اصول بھی بیان کئے ہیں جو انہیں منزل مقصود(یعنی رضائے رب ،نفاذِ شریعت ،قیام خلافت)تک پہنچنے میں ممد ثابت ہوں۔

ہم اپنے فاضل دوست مولانا عبدالصمد حفظہ اللہ کے انتہائی مشکور ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا اور اسے اہلِ پاکستان کے لئے افادۂ عام بنایاً اللہ تعالیٰ ان کی ا س کاوش کو شرف قبولیت بخشیں اور اس عمل خیر کو ان کے لئے صدقہ جاریہ اور توشۂ آخرت بنادیں،آمین۔

یہ کتاب مقدمہ ،تین ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے ۔نیز آخر میں ان تمام مراجع کا بھی ذکر کردیا گیا ہے جن سے اس کتاب کی تصنیف میں مدد لی گئی ہے ۔کتاب مذکور حواشی کو بلاقاعدہ ہر چند صفحات کے بعد تحریر کردیا گیا ہے ۔نیز دستورِ پاکستان کی

متذکرہ دفعات کی انگریزی عبارات بھی لکھ دی گئی ہیں ۔

پس پاکستان میں بسنے والے علمائے دین ،مدارس کے طلبائے کرام ،جدید تعلیم یافتہ افراد ،مذہبی جماعتوں کے قائدین وکارکنان اور ہر اس مسلمان کی خدمت میں یہ کتاب ایک پرخلوص ہدیہ ہے جو پاکستان میں نفاذِ شریعت کا متمنی وخواہاں ہے یہ ایک دعوتِ فکر وعمل ہے کہ مسلمانانِ پاکستان ہر عصبیت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حق کے آئینے میں اس موجودہ نظام کی حقیقت یعنی غیر شرعی حیثیت کو پہچانیں،اس ریاست ودستور کے دجل کوجانیں اور پھر ان بے نور قندیلوں اور ٹمٹماتے چراغوں کو چھوڑ کر چودہ صدیوں قبل طلوع ہونے والے آفتاب قرآن وسنت کی راہ اختیار کریں تاکہ رب کی عطاکردہ یہ سرزمین شریعت کا گہوارہ اور حقیقی معنوں میں پاکستان(پاک سرزمین)بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کوقبول فرمائیں،اسے حق کی نصرت کا ایک ذریعہ مسلمانانِ پاکستان میں بیداری کا ایک وسیلہ بنادیں،آمین یارب العالمین۔

اللّٰهم أرنا الحق والرزقنا اتباعہ وأرنا الباطل باطلا والرزقنا اجتنابہ! اللّٰهم أرنا الأشياء كما هی!

★ ★ ★ ★

مقدمۂ کتاب

ان الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا،من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ،ومن یضلل فلاھادی لہ،وأشھدان لاالٰہ الااللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ، وأشھد أن محمدًا عبدہ ورسولہٗ.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء:۱)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰۔۷۱)

اما بعد!

پاکستان کے دستور اورنظامِ حکومت سے متعلق ایک اہم اشکال

جب سے میں پاکستان سے متعارف ہوا ہوں، مسلسل کئی پاکستانی بھائیوں اور اسلامی جماعتوں کے داعی اورکارکن حضرات کو ایک بات دہراتے سنا ہے۔ان سب حضرات کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کا نظامِ حکومت دیگر مسلم ممالک میں قائم نظام ہائے حکومت سے قدرے مختلف ہے کیونکہ پاکستان کا دستور صحیح اسلامی اساسوں پر قائم ہے ۔ یہ دستور عوام المسلمین کو اپنے نمائندے چُننے اور شریعت کی روشنی میں اپنے حکام کا محاسبہ کرنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔پس مسئلہ دستور یا نظام کا نہیں بلکہ اس فاسد حکمران طبقے کا ہے جو کبھی بزورِ قوت اور کبھی دیگر ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے اقتدار پر قابض رہتا ہے اور دستورمیں درج امور کی پابندی نہیں کرتا۔

اس کتاب کی تحریر کا اصل محرک

یہ باتیں سن کر میرے ذہن میں کچھ سوالات جنم لیتے تھے ،مثلاً یہ کہ پاکستانی نظام حکومت واقعتاً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پھراس سے اس قدر فساد وبگاڑ اور مغرب کی اندھی غلامی کیونکر پیدا ہورہی ہے؟اگر پاکستانی نظام واقعتاً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پھراس کا نظام تعلیم اس قدر مہلک اور تباہ کن کیوں ہے ؟آخر کیوں اس نظام تعلیم سے ایسی نسلیں تیار ہورہی ہیں جو اسلام سے جذباتی وابستگی رکھنے کے باوجود قول وعمل میں مکمل طور پر مغربی ثقافت اختیارکرچکی ہیں؟اگر پاکستان کا نظام واقعتاً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پاکستان کی فوج......... جو اس ملک کی بے تاج بادشاہ ہے ....کے لیے امریکی غلامی کو اپنے گلے کا ہار بنانا کیسے ممکن ہوپایا ہے؟بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ پاکستانی نظام اسلامی بنیادوں پر قائم ہو اور پھر بھی''دہشت گردی کے خلاف جنگ''کے نام پر جاری اسلام کے خلاف جنگ میں پاکستان امریکہ کا سب سےبڑا اتحادی بن جائے؟یہ اور ایسے کئی دیگر سوالات میرے لیے حیرت وپریشانی کا باعث بنے رہے ،لہٰذا میں نے پختہ عزم کرلیا کہ مجھے جب کبھی فرصت ملی تو میں دستورِ پاکستان کا مطالعہ ضرور کروں گا ،لیکن ایک عرصے تک میری مصروفیات اس ارادے کی تکمیل میں حائل رہیں۔بالآخر جب مجھے دستورِ پاکستان پڑھنے کا موقع ملا تو مجھ پر اُن اوہام وشبہات کی حقیقت کھلی جن کا پاکستان کی دینی جماعتوں میں کام کرنے والے بہت سے بھائی شکار ہیں ۔مجھے نہیں معلوم کہ ان اشکالات کا سبب اس دستور سے عدم واقفیت ہے یا اندھی اتباع کی روش ....؟اس مطالعے کے نتیجے میں دستورِ پاکستان میں موجود واضح تناقضات مجھ پر ظاہر ہوئے جو شریعت کا ادنیٰ ساعلم رکھنے والے کسی شخص سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے ۔

مسئلہ محض حکمران طبقے کا ہے.........یا دستور اور ریاست بھی غیر اسلامی ہے؟

اس مطالعے کے نتیجے میں مجھے اپنے مذکورہ بالا سوالوں کا جواب بھی مل گیا ہے۔میں پوری بصیرت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان ایک غیر اسلامی مملکت ہے اور اس کا دستور بھی غیر اسلامی ہے ،بلکہ اسلامی شریعت کے ساتھ کئی اساسی اور خطرناک تناقضات پر مبنی ہے۔نیز مجھ پر یہ بھی واضح ہو اکہ پاکستانی دستور بھی اسی مغربی ذہنیت کی پیداوار ہے جو عوام کی حکمرانی اور عوام کے حقِ قانون سازی کے نظریے پر یقین رکھتی ہے ، اور بلاشبہ یہ نظریہ اسلام کے عطاکردہ عقیدے سے صراحتاً متصادم ہے۔

''قومی ریاست'' کامغربی تصور

مغرب کا سیاسی نظام''وطنی وقومی ریاست''(nation-state)کے نظریے پر قائم ہے ، اور اس نظریے پر قائم ہونے والی ریاست کی تمام تر دوڑدھوپ کا محور اپنے وطن میں بسنے والی قوم کے مفادات کا تحفظ اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ دنیاوی فوائد ومنافع کا حصول ہوتا ہے۔یہ وطنی ریاست عوامی اکثریت کی رائے کے سوا کسی اصول وعقیدے اور اخلاق واقدار کی پابند نہیں ہوتی ،چیزوں کو حلال وحرام قرار دینے سمیت ہر قسم کی قانون سازی کثرتِ رائے کی بنیاد پر کرتی ہے اور وطنیت کو ہی معیار بناتے ہوئے انسانوں میں تفریق روا رکھتی ہے۔

''خلافت'' کااسلامی تصور اور ا س کی بنیادیں

مغرب کا عطاکردہ سیاسی نظام اسلام کے سیاسی نظام سے یکسر مختلف اور اصولی اعتبار سے اس سے

متصادم ہے۔ اسلام کا عطاکردہ نظامِ خلافت جن عقائد وتصورات پر کھڑا ہوتاہے ان کا ایک مختصر سا تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا جارہا ہے:

۱) عقیدۂ توحید:

اسلام کا عطاکردہ نظام ِ حکمرانی توحید کے الہامی عقیدے پر مبنی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلالَةُ فَسِيرُوا فِي الأرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴾(النحل:۳۶)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا(اس پیغام کے ساتھ)کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو ۔پس ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی ۔سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا''۔

۲) غیر اللہ کی بندگی سے آزادی

اسلام کا عطاکردہ نظام تو اس اصول پر قائم ہے کہ انسان کو انسان کی غلامی و بندگی، بلکہ اللہ کے سوا ہر ہستی کی غلامی سے آزاد کیا جائے۔ قرآن کریم نے ہود علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿ إِنْ نَقُولُ إِلا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ، مِنْ دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لا تُنْظِرُونِي،إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾(هود: ۵۴،۵۶)

''ہود نے کہا :میں اللہ کو گواہ بناتادوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو ۔پس تم

سب مل کر میرے خلاف تدابیر کرلواور مجھے ذرا مہلت نہ دو،میں تو اس اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا رب ہے ،زمین پر چلنے پھرنے والی تمام مخلوق کو اس نے پیشانی سے پکڑ رکھا ہے،یقیناً میرا رب سیدھے راستے پر ہے''۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ:
﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ﴾(الممتحنة:۴ ٤)
''یقیناًتمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا :بے شک ہم بیزار ہیں تم سے بھی اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بھی ،ہم تمہارے منکر ہیں ،اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے کھلی دشمنی اور نفرت ظاہر ہوچکی ہے''۔

۳) تنہا ایک اللہ کی سمت یکسوئی

اسلام کے عطاکردہ نظام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بندگی کی ہر صورت اللہ ہی کے لیے خالص کی جائے، جس کا لازمی تقاضہ ہے کہ محبت کا محور بھی محض اللہ رب العزت کی ذات ہو اور اللہ ہی کے سامنےمکمل عاجزی و ذلت اختیار کی جائے۔ پس فرمایا:
﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ﴾(البقرہ:١٦٥ ۱۶۵)
''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہیں اور

ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں ،جبکہ ایمان والے تو سب سے زیادہ شدت سے اللہ ہی سے محبت رکھتے ہی''۔

اور فرمایا:
﴿ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ،قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ،لا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ،قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلا عَلَيْهَا وَلا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴾ (الأنعام:١٦١،١٦٤)
''آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے،یعنی اس مستحکم دین کی طرف جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے ،جو اللہ ہی کے لیے یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۔آپ کہہ دیجئے کہ میری نمازیں ،اور میری ساری عبادات ،اور میرا جینا،میرامرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے،جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔مجھے اسی بات کا حکم ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔کہہ دیجئے کہ کیا میں میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں حالانکہ وہی تو ہر چیز کا مالک ہے ،اور جو کوئی (برا)کام کرے تو ا س کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے ،اورکوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا ،پھرتم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کرجانا ہے ،پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں ان کی خبردے گا''۔

۴) خلافت ونیابت، نہ کہ حاکمیت

اسلام کے عطاکردہ نظام کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ اللہ مالک الملک نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت دی ہے (نہ کہ حاکم حقیقی)۔ پس ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ (البقرة:٣)

"اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا:بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

اور فرمایا:

﴿ يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ (٢٦ص:٢۶)

"اے داؤد!بے شک ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے ،سو تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہشات کی پیروی مت کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکادیں گی"۔

۵) مقصدِ زندگی.........عبادتِ رب کے ذریعے اخروی کامیابی کاحصول

اسلام کا عطاکردہ نظام اس عقیدے پر کھڑا ہے کہ انسان بنیادی طور پر اپنے رب کی عبادت و بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعا لیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلا لِيَعْبُدُونِ﴾ (٥٦الذاريات:۵۶)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔

اس نظام کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ اس حیاتِ مستعار میں انسان کا اصل مقصد رب کی رضا اور اخروی کامیابی کاحصول ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ (١٨٥آل عمران: ١٨٥)

''ہرذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے ،اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا،پس جو شخص جہنم کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ کامیاب ٹھہرا،اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے''۔

۶) محاسبہ کرنے والی اصل ذات.........اللہ رب العالمین

اسلام کا عطاکردہ نظام اس احساس پر قائم ہے کہ اللہ رب العالمین انسان کی تمام حرکات وسکنات اور ارادہ و نیّات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ پس فرمایا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ،إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ،مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ (١٨قٓ:١٨،١٦)

''اور ہم ہی نے انسانوں کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل پر گزرتے ہیں ہم اُن سے بھی آگاہ ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے زیادہ اس کے قریب ہیں ۔جب بھی وہ کوئی کام کرتا ہے تو دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھتے ہیں لکھ لیتے ہیں ۔جو بات بھی اس کی زبان پر آتی ہے (اسے درج کرنے کے لیے)ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے''۔

پس اگر انسان دنیا میں انسانوں کی قائم کردہ عدالتوں کی گرفت اور سزا سے بچ بھی نکلے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے فیصلے اور اس کی سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (التوبة:۱۰۵)

''اور ان سے کہہ دو کہ عمل کیے جاؤ،اللہ اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے،اور تم غائب وحاضر کے جاننے والے خدائے واحد کی طرف لوٹائے جاؤگے،پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ سب تم کو بتادے گا''۔

۷) امتِ مسلمہ کی اساسی ذمہ داری، دعوتِ دین کا ابلاغ

اسی طرح اسلام کا عطاکردہ نظام اس فہم پر مبنی ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانا اور ان پر حجت تمام کرنا اس امت کی ذمہ داری ہے۔

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾ (١٤٣البقرة:۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخرالزماں)تم پر گواہ بنیں''۔

۸) دعوت پھیلانے اور فتنے مٹانے کے لیے جہاد و قتال

اسلام کے عطاکردہ نظام کے پیچھے یہ تصور بھی کار فرما ہے کہ امتِ مسلمہ کافرض ہے کہ وہ رب کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے جہاد وقتال کرے ، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لیے خالص ہوجائے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ﴾ (الأنفال:۳۹)

''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے خالص ہوجائے''۔

۹)حاکمیتِ شریعت، عدل، شوریٰ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلامی اصول

امتِ مسلمہ شریعتِ الٰہیہ کی حاکمیت کے سنہرے اصول پہ مبنی نظام،حکومت قائم کرتی ہے اور عدل و انصاف کے قیام، شوریٰ کے اسلامی تصور پر عمل درآمد اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بجا آوری کے ذریعے اپنے رب کی عبادت کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الأُمُورِ ﴾ (الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں،زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ،نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں،اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''۔

اور جب شریعت پر عمل کیا جانے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب دنیا میں بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ﴾(الأعراف:۹۶)

''اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیارکرتے توہم ان پر آسمان وزمین سے برکتوں (کے دروازے)کھول دیتے''۔

ہاں ، یہ امر ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ امتِ مسلمہ جب بھی حکومت و سلطنت قائم کرتی ہے تو وہ اسے بنیادی طور پہ ایک عبادت سمجھتے ہوئے صرف

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لیے قـائم کـرتی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَعَـدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُـوا مِنْكُمْ وَعَمِلُـوا الصَّـالِحَاتِ لَيَسْـتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الأرْضِ كَمَـا اسْـتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَـــــــى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لا يُشْرِكُونَ بِي شَـــيْئًا وَمَنْ كَفَـــرَ بَعْـــدَ ذَلِـــكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کـا وعـدہ ہے کہ وہ انہیں زمین پـر خلافت عطـاکرے گـا جیسـا کہ ان سـے پہلے لوگـوں کـو خلافت عطافرمـائی او ران کے دین کو ،جسے اس نے ان کے لـیے پسـند کیـا ،مسـتحکم وپائیـدار کـردے گـا اور خـوف کے بعـد انہیں امن بخشے گا ،پس وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسـی اور کـو شـریک نہ کـریں گے ،اور جـو اس کے بعـد بھی کفـر کـرے توایسـے ہی لـوگ نافرمان ہیں''۔

اور فرمایا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلا لِلَّهِ أَمَرَ أَلا تَعْبُدُوا إِلا إِيَّاهُ ذَلِكَ الـدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ﴾ (يوسف:٤٠)

''حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لیے خـاص ہے،اس نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم صرف اسـی کی عبـادت بجـالاؤ،یہی مسـتحکم دین ہے ،لیکن اکـثر لوگ نہیں جانتے''۔

۱۰) وطنی و قومی تعصّبات سے آزادی

اسـلام کـا عطـا کـردہ سیاسـی نظـام یعـنی''نظـامِ خلافت''انسانیت کے سامنے ایک ایسـی اعلیٰ مثـال پیش کرتـا ہے جہاں ہر قسـم کی وطـنی نسـبتوں اور جغرافیائی حدود سے بـالاتر ہو کـر تمـام اہلِ ایمـان کے

درمیان ایمانی اخوت کی بنیاد پر مساوات کے رشتے قائم ہوتے ہیں ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ (المؤمنون:۵۲)

''اور بے شک یہ تمہاری امت ،ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو''۔

۱۱) عزت کا معیار.........ایمان ، تقویٰ او ر عملِ صالح

یہ نظامِ خلافت اگر لوگوں کے درمیان کوئی تفریق روا رکھتا ہے تو محض ان کے ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح کی بنیاد پر.........نہ کہ کسی ملک کی شہریت یا''ریاست'' نامی کسی بت سے وفاداری کی بنیاد پر! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳۱۳)

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے''۔

۱۲) فیصلوں کا ماخذ؛ شریعتِ الٰہیہ.........نہ کہ کثرتِ رائے

خلافت کے اس نظام میں فیصلوں کے لیے اللہ کی نازل کردہ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، نہ کہ غالب اکثریت رائے کی طرف۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ (المائدة:۴۹)

''اور ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے''۔

مغرب کے سیاسی تصورات کا تاریخی پس منظر

اسی طرح مغرب کے موجودہ سیاسی تصورات نے ان کے تاریخی ورثے سے جنم لیا ہے، جہاں ایک طرف ظالم و جابر حکمران اور ان کے حاشیہ نشین امراء و جاگیردار تھے تو دوسری طرف مظلوم و مقہور عوام الناس۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ان کے معاشروں میں ایک دوسری کشمکش بھی جاری تھی، جس میں ایک جانب کلیسا تھا جس نے انسانی عقل سے متصادم فرسودہ اقدار، تصورات اور بے اصل روایات گھڑ رکھی تھیں اور ایسے گھناؤنے کردار کا مظاہرہ کیا تھا جس کی تفصیلات سن کر انسانی ضمیر ان سے نفرت کرنے لگتا ہے۔.........تو دوسری جانب مغربی اقوام اور ان کے وہ سائنس دان اور ماہرینِ فن تھے جو زمین و آسمان کے نئے افق اور بھید تلاش کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ لیکن اس جہاں اور اس کی تخلیق سے متعلق کلیسا کی وہ 'مقدس' روایات جو کسی بھی تاریخی سند اور آسمانی دلیل سے محروم تھیں قدم قدم پر ان کی تحقیقات سے ٹکراتی تھیں۔

اس طویل کشمکش کے بعد جہاں جدید مغربی فکر نے کلیسا اور دین سے راہِ فرار اختیار کی.........وہیں اسلام، امت مسلمہ اور اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دشمنی کے صلیبی ورثے کو بھی پوری طرح سینے سے لگائے رکھا۔ دراصل جدید مغربی فکر تناقضات کا ایک عجیب مجموعہ ہے۔ ایک طرف تو یہ اپنی عقل کی بنیاد پر کلیسا، بلکہ خود دین سے بھی بیزار ہے لیکن دوسری طرف یہ جذباتی طور پہ اپنی صلیبی تاریخ سے پوری طرح وابستہ ہے اور اسے خود بھی ان جذبات کے اظہار میں کوئی باک نہیں۔

اسی تناقض کی بناء پر جدید مغربی فکر میں جہاں کلیسا کے استبداد سے نفرت اور اس کے نتیجے میں ہر قسم کے دین اور دین سے متعلقہ باتوں سے دشمنی نمایاں ہے، وہیں اسلام اور امتِ اسلام سے عدوات بھی اس فکر کا ایک اہم وصف ہے۔ پس ایک جانب تو مغرب کلیسا کے غلبے کے دور کو ''قرونِ وسطیٰ کا عہدِ تاریک''قرار دے کر اپنے ماضی سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے، اور دوسری جانب صلیبی روح کے حامل'استبدادی'حملوں کے ساتھ اپنا تعلق بھی جوڑتا ہے اورانہی کے تسلسل میں آج بھی امت مسلمہ سے دشمنی جاری رکھے ہوئے ہے۔

امتِ مسلمہ میں اٹھنے والی بیداری کی لہر کا ایک تاریخی پس منظر

اس سب کے مقابل ہم دیکھتے ہیں کہ امت مسلمہ ایک روشن و اجلی تاریخ کی حامل ہے جس میں توحیدِ خالص کی دعوت بھی ہے، جابر ومتکبر سلطنتوں کے خاتمے کے لیے جہاد و قتال بھی اور شریعتِ الٰہی کی نشر و اشاعت کے لیے انتھک جدو جہد بھی۔ یہ وہ شریعت ہے جسے عقلِ سلیم قبول کرتی ہے اور قلبِ سلیم جس پر مطمئن ہو تا ہے۔ وہ پاکیزہ شریعت جو علم کی جستجو میں مگن علماء کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور انہیں اعلیٰ و و ارفع رتبے عطا کرتی ہے۔ پس یہی وہ روشن تاریخ ہے جس پر امتِ مسلمہ بجا طور پر فخر کرتی ہے، او ر یہی وہ لازوال ماضی ہے جسے حال کے قالب میں ڈھالنے کے لیے یہ امت آج پھر سے کوشاں ہے۔ جب کہ اس کے برعکس موجودہ دور کے بیشتر مغربی مفکرین اپنے ماضی کے عہد کو ''عہدِ تاریک'' سے تعبیر کر کے اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

’’لکم دینکم ولی دین!‘‘

مغرب کی ایک الگ تاریخ اور ان خاص تاریخی حالات کے زیرِ اثر جنم لینے والے کچھ مخصوص تصورات ہیں جنہیں ہم سے یا ہمارے دین سے کوئی ادنیٰ سی بھی مناسبت نہیں! لہٰذا مسلم معاشروں میں پائے جانے والے مغربی تصورات کے حامل افراد اور گروہ قطعاً اس کے اہل نہیں کہ وہ امتِ مسلمہ کے لیے کسی بھی قسم کا دستور یا قانونی نظام وضع کریں۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں کچھ عجیب مضحکہ خیز مرکب اور کفر و اسلام کے ملغوبے معرضِ وجود میں آتے ہیں جن سے فساد اور انحراف میں اضافے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وہ کہانی ہے جو پاکستان بننے کے بعد سے ساٹھ سال تک دہرائی جاتی رہی ہے۔ پاکستان کی سرزمین ہمیشہ بدلتے موسموں کے ساتھ رنگ بدلتی رہی ہے اور بالآخر آج اسلام کے خلاف لڑی جانے والی عالمی صلیبی صہیونی جنگ میں جنوبی ایشاء اور مشرقِ وسطیٰ کے سب سے بڑے امریکی اڈے میں تبدیل ہوچکی ہے۔

دستورِ پاکستا ن کا اصل مقصد؛بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام:

دستورِ پاکستان کے بغور مطالعے سے مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ اس دستور کو لکھنے والوں کے پیشِ نظر کسی اسلامی حکومت یا شرعی نظام کا قیام نہ تھا، بلکہ یہ دستور تو لکھا ہی اس لیے گیا تھا کہ اس کے ذریعے مغربی طرزِ حکمرانی پر عملِ پیرا ایک ایسی ریاست کاقائم ہو جو اسلام دشمن ''بین الاقوامی نظام'' میں ضم ہو سکے.........وہ بین الاقوامی نظام جسے عیسائی طاقتوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس غرض سے قائم کیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ان کا تابع فرمان بنا ئے اور ان کے مفادات کا پوری طرح تحفظ کرے۔ یہی وہ باطل بین الاقوامی نظام ہے جس

نے امت مسلمہ سے فلسطین چھینا، اور یہی نظام آج تک آزادئ کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

دستور کے 'اسلامی' ہونے کا فریب!

دستورِ پاکستان کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے مکرو فریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے نفاذ کا وعدے بھی ہوجائے لیکن وہ وعدے کبھی وفا نہ ہوسکیں۔ مجھے تو تعجب ہو تا ہے کہ اس وقت بڑے بڑے علماء اور داعی حضرات بھی اس دھوکے کا شکار ہو کر دستور کی تعریف و تقدیس بیان کرتے رہے۔ (ہاں!اس میں کچھ شک نہیں کہ ان حضرات کا اس دستور سے نیا نیا واسطہ پڑا تھا اور ابھی اس کے عملی اثرات بھی پوری طرح واضح نہیں ہوپائے تھے لہٰذا اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا شاید کوئی امکان موجود تھا).........البتہ اصل تعجب کے لائق تو ہمارے وہ فاضل دوست ہیں جو نفاذِ شریعت کے جھوٹے وعدوں کو ساٹھ(۶۰)سال گزر جانے کے بعد بھی وہی گھسے پٹے اوہام و اشکالات دہرائے چلے جارہے تھے اور آج تک دستورِ پاکستان کی اسلامیات کے فریب سے دامن نہیں چھڑا پائے۔

یہ وہ پاکستا ن نہیں!

آج یہ بات سب پر عیاں ہوچکی ہے کہ یہ وہ پاکستان نہیں جس کی تمنا ہند کے مسلمانوں کی اکثریت نے کی تھی.........یہ وہ سرزمین نہیں جس کے بارے میں خواب میں دیکھا گیا تھا کہ وہ دنیا بھر کےمسلمانوں کا مرکز اور جائے پناہ بنے گی.........بلکہ اس کے برعکس یہ سرزمین تو برصغیر، جنوبی ایشیاء اورمشرقِ وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

لڑی جانے والی صلیبی جنگ میں سب سے اہم امریکی اڈے کا کام دے رہی ہے۔ آج یہ امر ہر صاحبِ بصیرت پر عیاں ہوگیا ہے کہ پاکستان پر آغاز سے اب تک فاسد و مفسد طبقات ہی حکمرانی کرتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ مسلمانوں کے قاتل مشرف کے سیاہ دور سے گزرتا ہوا ''مسٹر ٹین پرسنٹ''کے لقب سے مشہور ، اموالِ مسلمین لوٹنے والے امریکی غلام زرداری کے عہدِ حکومت میں داخل ہو گیا ہے (وہ زرداری جسے نہ صرف عسکری قوتوں کی حمایت حاصل ہے،بلکہ انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ متعدد دینی جماعتوں نے بھی انتخابات کے موقع پر اسی طرح اس کی تائید کی جیسا کہ اس سے پہلے ان جماعتوں نے پرویز کی آئینی ترمیم اور صدارتی انتخاب کے موقع پر اس کا ساتھ دیا تھا.........) پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں پاکستان کے سیاسی نظام اور دستور کے حوالے سے جن نتائج تک پہنچ چکا ہوں وہ ضبطِ تحریرمیں لاؤں۔ میری کوشش رہی ہے کہ اس بحث کے دوران غیر ضروری تفصیل اور پیچیدہ لغوی بحثوں سے احتراز کرتے ہوئے صرف اساسی مقصد کو پیشِ نظر رکھوں، تا کہ کتاب کا حجم زیادہ نہ بڑھے۔

کتاب کا وجۂ تسمیہ

اس کتاب کا نام میں نے ''الصبح والقندیل''تجویز کیا ہے۔ یہ نام نبیٔ کریم ﷺ کی تعریف میں کہے گئے امام بوصیری رحمہ اللہ کے اشعار سے موخوذ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اللّٰہ اکبر اِنَّ دین محمدٍ	و کتابَہ اقوٰی و أقومُ قِیلا
طلعت بہ شمس الهدایة للوَرٰی	وابٰی لها وصفُ الکمالِ أُفُولا
والحقُ أبلجُ فی شریعتہ التی	جَمَعَت فروعاً للورٰی وأصولا

لا تذکروا الکتبَ السوالف عندہ — طلع النّہارُ فاطفِئوا القِندِیلا

''اللہ اکبر!یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سب سے زیادہ قوی اور بات کے اعتبار سے سب سے زیادہ محکم ہے۔

آپ کی آمد کے ساتھ تمام مخلوق کے لیے ہدایت کا سورج طلوع ہوا، جس کا وصفِ کمال غروب سے نا آشنا ہے۔

آپ کی شریعت کی صورت میں حق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکا ہے،جس میں مخلوق کے لیے چھوٹی بڑی سب باتیں جمع کردی گئی ہیں۔

آپ کی جناب میں گزشتہ کتابوں کا تذکرہ مت کرو، کہ صبح طلوع ہو چکی ہے۔لہٰذا قندیلوں کو بجھا دو''۔

یہ نام میں نے اس لیے چنا ہے تاکہ فرنگی تہذیب کے فرزندوں کو یہ پیغام دے سکوں کہ چودہ سو سال قبل تمام انسانیت پر ہدایتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج طلوع ہوچکا ہے اور آج بھی پوری آب و تاب سے آسمان عالم چمک رہا ہے، لہٰذا اپنی کمزور قندیلیں اور چراغ بجھا دو۔ ہدایت کا سورج طلوع ہونے کے بعد بھی انہی چراغوں سے چمٹے رہنا اور انہی میں ہدایت ڈھونڈنا ان''دانشورانِ''مغرب کا شیوہ ہے جو عصرِ حاضر بھی جاہلیت کے اندھیروں میں گزار رہے ہیں۔

اسی طرح اس نام میں اسلامی جماعتوں کے کارکنان اور داعیانِ دین کے لیے بھی ایک پیغام پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ اے داعیانِ دین!آپ لوگوں کو تو پورے دن کی روشنی میسر ہے،آفتابِ شریعت اپنی کرنیں آپ پر بکھیر رہا ہے.........آخر آپ کو مغرب کے اندھیر ے

چراغوں کے پیچھے چلنے کی کیا حاجت؟ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ شریعت کی روشن تعلیمات چھوڑ کر باطل مغربی افکار و نظریات عام کرنے والے دانشوروں کی باتوں پر کان دھرنے لگے ہیں؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی حماقت، کم فہمی اور اوقات و وسائل کا ضیاع ہو گا کہ آپ ان بھٹکے ہوئے لوگوں کی قیادت سنبھالنے کی بجائے الٹا انہی کے پیچھے چلنے لگیں؟ آپ تو روز روشن کے نقیب ہیں، آپ کو ان کی قندیلوں سے کیا سروکار.........؟

اختتامی کلمات

بلاشبہ یہ ناانصافی ہوگی اگر میں یہاں ان محترم بھائیوں کا شکریہ نہ ادا کرسکوں جن کی خدمت میں میں نے اس کتاب کا مسوّدہ پیش کیا اور انہوں نے اس پر اپنی قیمتی آراءو افادات سے نوازا۔ بالخصوص ''فضیلة الشیخ عطیة اللہ (حفظہ اللہ)''اور''فضیلة الشیخ ابویحییٰ (حفظہ اللہ)''نے اس سلسلے میں میری بہت مدد کی۔ ان کے علاوہ بھی کچھ بھائیوں نے اس سلسلے میں کافی معاونت کی اور اگر ان کا نام لے کر تذکرہ کرنے میں حرج کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ان کا نام لیتا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام بھائیوں کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

آخری گزارش یہ ہے کہ یہ کتاب ایک ادنیٰ سی کاوش ہے، قارئین سے درخواست ہے کہ کمی کوتاہی کے باوجود اسے قبول فرمائیں۔ اس کی خطاؤں کی اصلاح کریں، اس کی غلطیوں کو درست کریں اور اس کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں۔ اس کتاب کی اگر کوئی خوبی ہے تو صرف اللہ کی توفیق اور اس کے احسان کا نتیجہ ہے اور اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو وہ میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلا الإِصْلاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴾ (ھود:۸۸)

''میں تو اپنی بساط کے بھر اصلاح ہی کا ارادہ رکھتا ہوں،اور(اس حوالے سے)مجھے توفیق ملنا محض اللہ ہی (کے فضل)سے ہے،اُسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اوراُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

میں ہر اس شخص کو جسے اس کتاب میں کوئی فائدہ یا بھلائی نظر آئے اس کی نشر و اشاعت، ترجمے، استفادے اور اس کے اقتباسات نقل کرنے کی اجازت دیتا ہوں، بشر طیکہ ایسا کرنے سے اس کتاب کے مقاصد میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمين،وصلى اللہ على سيدنا محمد وعلى آلہ وصحبہ وسلم

أيمن الظواہری
ذوالقعدة ۱۴۲۹ھ ۔نومبر۲۰۰۸ء

باب اول

حاکمیت کس کا حق ہے؟

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے

قانون سازی کو محض اللہ مالک الملک ہی کا حق سمجھنا اسلامی عقائد کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے

اور قرآنِ کریم کی بہت سی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلا لِلَّهِ أَمَرَ أَلا تَعْبُدُوا إِلا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ﴾ (يوسف:۴۰)

''حاکمیت تو صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے ،اُس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اُسی کی عبادت بجالاؤ،یہی مستحکم دین ہے ،لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ،وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ،أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴾

''اور (اے پیغمبرعلیہ السلام)ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اس سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُن پر نگہبان ہے، پس آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اُس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے ۔اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنادیتا ،لیکن جو حکم اُس نے تمہیں دیئےہوے ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

سو نیک کاموں میں جلدی کرو ،تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کرجانا ہے ،پھر جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتلادے گا ۔اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ اے نبیﷺ!آپ)ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اور اس سے خبردار رہیے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو ہٹانہ دیں ۔پھر اگر یہ نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ چاہتاہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے،اور یقیناًلوگوں کی اکثریت تو فاسقوں پر مشتمل ہے،(اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ موڑتے ہیں تو)کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں ،اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے''۔

پس اگر کوئی قوم، جماعت، معاشرہ، حکومت یا نظام یہ دعوىٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلما ن ہیں اور احکامِ اسلام پر کارِ بندہیں تو ضروری ہے کہ وہ قانون سازی اور فیصلہ کرنے کاحق بھی اللہ ہی کے لیے خالص کریں۔ اور اگر ان میں سے کوئی گروہ یہ زعم بھی رکھتا ہے کہ وہ مسلم ہے لیکن اللہ رب العزت کا یہ حق تسلیم کرنے سے بھی انکاری رہتا ہے اور اپنے معاملا ت میں شریعت کی طرف رجوع بھی نہیں کرتا......... تو اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح فیصلہ فرمادیا ہے کہ وہ قطعاً مومن نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (النساء:٦٥)

''تمہارے پروردگار کی قسم!یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک (اے

نبیﷺ)تمہیں اپنے باہمی تنازعات میں منصفی بنالیں اور جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور ا س کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں''۔

پاکستان میں قانون سازی کا حق مطلقاً پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے۔

درج بالا اسلامی عقیدے کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں قانون سازی اور فیصلے کا حق کس کے پاس ہے؟ کیا یہ حق صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے مختص ہے؟یا یہ اس پارلیمان کی غالب اکثریت کا حق ہے جسے یہ 'مجلسِ شوریٰ'کے نام سے بھی پکارتے ہیں؟

اس نہایت اہم سوال کا حتمی جواب ہمیں ریاستِ پاکستان کی اساسی قانونی دستاویزات میں ملتا ہے۔ چنانچہ جب ہم دستورِ پاکستان پر نظر ڈالتے ہیں، جو بقول ان کے'' ابو القوانین''ہے ، تو اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ دستور میں ترامیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کے سوا کسی حاصل نہیں۔

لہٰذا اس دستور کے عطاکردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کا نام ''اسلامی جمہوریۂ پاکستان ''رکھ دیں، اور اگر یہی لوگ چاہیں تو دو تہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کرکے ''امریکی جمہوریۂ پاکستان ''یا '' مسیحی جمہوریۂ پاکستان'' رکھ دیں.........ان کے اکثریتی فیصلے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح اگر نمائندگانِ پارلیمان چاہیں تو ''وفاقی شرعی عدالت''قائم کردیں، اور اگر چاہیں تو ''وفاقی غیر شرعی عدالت''قائم کردیں، ان کو

مکمل حق حاصل ہے۔اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کر کے اس میں سے وہ مواد بھی حذف کر دیں جس کی بناء پر دستورِ پاکستان یا ریاستِ پاکستان کے اسلامی ہونے کا شبہ ہوتا ہے.........یہ ان کا حق ہے جس کی ضمانت خود دستور انہیں فراہم کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ۲۳۸ واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترامیم کا حق حاصل ہے[1]۔ جبکہ دفعہ ۲۳۹ میں آئینی ترمیم کے لئے دوتہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے۔ اسی دفعہ کے تحت پانچویں اور چھٹے بند میں دو انتہائی اہم باتیں نصاً مذکور ہیں:

پہلی یہ بات کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر اعتراض کرنا ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لیے یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ مجلسِ شوریٰ (یعنی پارلیمان)کو دستور کی دفعات میں ترمیم کا لا محدود اختیار حاصل ہے۔[2]

ممکنہ شبہات اور ان کا رد

یہاں دو شبہات وارد ہوسکتے ہیں:

---

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:
"Subject to this Part, the Constitution may be amended by act of [Majlis-e-Shoora(Parliament)]" [CONSTITUTION OF PAKISTAN XI Amendment of Coooonstitution, Article 238].

[2] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:
"(5) No amendment of the Constitution shall be called in question in any court on any ground whatever.
(6) For the removal of doubt, it is hereby declared that there is no limitation whatever on the power of the Majilis-e-Shoora (Parliament) to amend any of the provisions of the Constitution" [CONSTITUTION OF PAKISTAN, PART XI Amendment of ConstitutionArticle 239].

پہلا شبہ:مسلم معاشرے کی مصلحت کے لیے ہی مسلم نمائندگان دستور سازی کرتے ہیں

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے کہ آخر اس بات میں حرج ہی کیا ہے کہ''مسلم عوام کے نمائندگان'' باہمی مشورے سے''مسلم معاشرے کی مصلحت'' کی خاطر دستور سازی کریں؟

اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ دستور کی مذکورہ نصوص میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی گئی جو اس اعتراض میں ذکر کی گئی ہیں :یعنی نہ تو اس میں'' مسلم معاشرہ'' کا ذکر ہے اور نہ اس کی''مصلحت'' کا۔ یہ نصوص تو دستور میں ترمیم کے لیے دوتہائی اکثریت کے اتفاق کے علاوہ کوئی شرط نہیں لگاتی ہیں اور پھر نہایت تاکید کے ساتھ دو تہائی ارکانِ پارلیمان کے آئینی ترمیم کے حق کا بھرپور تحفظ بھی کرتی ہیں۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ دستورِ پاکستان کے تحت تمام امور میں قبول و رد کا حتمی فیصلہ نمائندگانِ پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو حاصل ہے۔ دستور کا یہ اصول شریعت کے بالکل منافی ہے۔ اسلام تو ہمیں یہ سکھلاتا ہے کہ یہ مقام تو صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حاصل ہے کہ اس کے ہر حکم کو بلا نزاع قبول کیا جائے، ہر اس قانون،حکم یا ضابطے کو رد کردیا جائے جو شریعت کے موافق نہ ہو اور کسی کا بھی یہ حق تسلیم نہ کیا کہ وہ خلافِ شریعت فیصلے کرے.........خواہ اس فیصلے کو دو تہائی اکثریت بلکہ پورے پارلیمان کی اجتماعی تائید ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

دوسری بات یہ کہ اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ مسلم معاشرے کےنمائندے اپنے قوانین یا دستور کی نصوص میں ترمیم و اصلاح کریں بشرطیکہ یہ سارا

عمل اللہ کے دین اوراس کی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے انجام پائے،لیکن دستور میں تو ایسی کوئی شرط مذکور نہیں۔ پاکستان کا دستور تو الٹا اس بات پر زور دیتا نظر آتا ہے کہ دو تہائی اکثریت کو دستور میں ہر قسم کی ترمیم کا حق حاصل ہے، اور غالب اکثریت والے فیصلے پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں۔

دوسرا شبہ: شریعت سے متصادم قوانین کو دور کرنے کے لیے وفاقی عدالت تشکیل پاچکی ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی دوسرا معترض یہ کہے کہ دستور نے وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت سے متصادم ہرقانون کو رد کردے۔اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو آگے چل کر وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے تحت آئے گا، لیکن سرِ دست صرف اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ اس عدالت کو بھی دیگر عدالتوں کی طرح دستور کی دفعات پر نگاہ ڈالنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ یہ اس کے دائرہ اختیار سے ہی باہر ہے اور یہ بات دستور میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

باب دوم

دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے مابین تضاد

اس باب میں ہمارا کلام دو فصلوں پر منقسم ہوگا:
پہلی فصل:شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے ،اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہو
دوسری فصل:دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی مثالیں

پہلی فصل

شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہو

تمام علمائے اسلا م کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکمِ شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کا حلال قرار دینا جس کی حرمت پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام

قرار دینا جس کی حلت پر اجماع ہو، یا کسی اجماعی حکمِ شرعی کو تبدیل کر ڈالنا کفر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا.........چاہے وہ خود نہ تو شراب پیتا ہو، نہ زنا کرتا ہو، نہ چوری کرتا ہو، اور نہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے برخلاف فیصلے دیتا ہو۔اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا حرام ہے یا یہ کہے کہ نماز اور زکوٰۃ فرائضِ اسلام میں سے نہیں تو وہ بھی کافر ہے اگر چہ وہ خود پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو اور پابندی سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو۔ اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خالص نہیں بلکہ یہ حق پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو یا کسی اور کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا اگرچہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو۔ اس طرح جو شخص ایسے قانون بنائے جو شریعت سے متصادم ہوں یا جو شریعت سے سے بالا فیصلے کرنے کا اختیار دیں یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظرِثانی کرنے کا حق تفویض کریں، تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

دلائل شرعیہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے میں اس عظیم شرعی اصول کی وضاحت کے لیے بعض دلائل مختصراً ذکر کرنا چاہوں گا:

(الف) شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومعلوم بالاضطرار من دین المسلمین وباتفاق جمیع المسلمین أن من سوغ اتباع غیر دین الإسلام أو اتباع شریعة غیر شریعة محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فهو کافر، وهو ککفر من آمن ببعض الکتاب وکفر ببعض الکتاب ،کما قال تعالیٰ:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلا،أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴾ (النساء:۱۵۰،۱۵۱)

''یہ امر تو بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک ضروریات دین (دین کے وہ مسائل جن کا علم ہر مسلمان کو ہونا لازم ہے)میں شامل ہے کہ جو شخص دینِ اسلام کے سوا کسی اور دین یا شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور شریعت کو جائز قرار دے وہ کافر ہے۔ اس شخص کا کفر بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کتاب اللہ کے بعض حصے پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس ک رسولوں کا انکارکرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض باتوں پر ایمان لائے اور بعض کا ہم نے انکار کیا، اور وہ ایمان و کفر کے بیچ کی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے رسواکن عذاب تیار رکھا ہے''[1]

(ب)ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المآئدة:۵۰)

''(اگر یہ اللہ کے نازل کردہ قانون سے منہ موڑتے ہیں تو)کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اور یقین رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہے''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت میں فرماتے ہیں:

[1] مجموع الفتاویٰ:۵۲۴/۲۸

''ینکر تعالی علی من خرج عن حکم اللّٰہ المُحکَم المشتمل علی کل خیر،الناھی عن کل شر،وعدل الی ما سواہ من الآراء والأھواء والاصلاحات،التی وضعھا الرجال بلا مستند من شریعة اللّٰہ،کما کان أھل الجاھلیة یحکمون بہ من الضلالات والجھالات، مما یضعونھا بآرائھم وأھوائھم،وکما یحکم بہ التتار من السیاسات الملکیة المأخوذة عن ملکھم جنکز خان، الذی وضع لھم الیَاسق ، وھو عبارة عن کتاب مجموع من أحکام قد اقتبسھا عن شرائع شتی،من الیھودیة والنصرانیة والملة الاسلامیة،وفیھا کثیر من الأحکام أخذھا من مجردِ نظرہ وھواہ، فصارت فی بنیہ شرعاً متبعاً،یقدمونھا علی الحکم بکتاب اللّٰہ وسنة رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومن فعل ذلک منھم فھو کافر یجب قتالہ، حتی یرجع الی حکم اللّٰہ ورسولہ، فلا یحکم سواہ فی قلیل ولا کثیر''

''یہاں اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر گرفت کی ہے جو اللہ کے ان محکم احکامات سے روگردانی اختیار کرتا ہے جو ہر خیر پر مشتمل ہیں اور ہر شر سے روکنے والے ہیں، پھر ان احکاماتِ الٰہیہ کو چھوڑ کر ان آراء و خواہشات اور اصلاحات کی پیروی کرنے لگتا ہے جنہیں انسانوں نے وضع کیا ہو اور جن کی پشت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔ یہ شخص بالکل دورِ جاہلیت کے ان لوگوں کی مانند ہے جو اپنی آراءَ و خواہشات پر مبنی گمراہیوں اور جہالتوں کی روشنی میں فیصلے کرتے تھے، یا ان تاتاریوں کی مانند جو اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ کتاب 'یاسق' کو فیصلہ کن مانتے ہیں۔یہ کتاب مختلف شریعتوں سے اخذ کردہ احکامات کا مجموعہ ہے، کچھ احکام یہودیت سے ماخوذ ہیں، کچھ نصرانیت اور اسلام سے، اور بہت سے احکامات محض اس کے ذاتی

نظریات وخواہشات کا نمائندہ ہیں۔ یہ مجموعہ اس کی اولاد کے نزدیک ایسی لائقِ تقلید شریعت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جسے یہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ پس ان میں سے جوشخص بھی ایسا کرے وہ کافر ہے اور اس سے قتال کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی طرف لوٹ آئے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں انہی کو حاکم جانے"۔[1]

علامہ شاکر احمد رحمہ اللہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اقول:أَفَیَجُوز فی شرع اللّٰہ تعالی أن یُحکم المسلمون فی بلادھم بتشریع مقتبس عن تشریعات أروبا الوثنیة الملحدة؟ بل بتشریع تدخلہ الأھواء والآراء الباطلةِ یغیّرونہ ویبدلونہ کما یشاؤون،لایبالی واضعة أَوَافق شِرعة الاسلام أم خالفھا؟ ان المسلمین لم یُبلوا بھذا قطہ فیما نعلم من تاریخھم، الّا فی ذلک العھد عھد التتار،وکان من أسوأ عھودالظلم والظلام ومع ھذا فانھم لم یخضعوا لہ،بل غلب الاسلام التتار،ثم مزجھم فأدخلھم فی شِرعتہ، وزال أثر ماصنعوا بثبات المسلمین علی دینھم وشریعتھم،وبما أن الحکم السیئ الجائر کان مصدرہ الفریق الحاکم اذا ذاک، لم یندمج فیہ أحد من أفراد الأمم الاسلامیة المحکومة،ولم یتعلّموہ ولم یعلّموہ أبنائھم ،فما أسرع ما زال أثرہ،أفرأیتم ھذا الوصف القوی من الحافظ ابن کثیرہ فی قرن الثامن ہ لذاک القانون الوضعی،الذی صنعہ عدو الاسلام جنکیز خان؟ ألستم ترونہ یصف حال المسلمین فی ھذا

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورة المائدة: آیت ۵۰:۶۸/۲

العصـر ،فی القـرن الرابـع عشـر الهجـری؟الّا فی
فرق واهد أشرنا الیہ آنفاً:أن ذلک کـان فی طبقـة
خاصـــة من الحکـــام أتی علیهـــا الـــزمن ســـریعاً
فاندمجت فی الأمة الاسلامیة وزال أثر مـا صـنعت،
ثم کان المسـلمون الآن أسـوأ حـالًا ، وأشـد ظلمـاً
وظلاماً منهم ،لأن أکـثر الأمم الاسـلامیة الآن تکـاد
تندمج فی هذہ القوانین المخالفـة للشـریعة،والـتی
هی أشبہ شیىء بـذاک "الیاسـق" الـذی اصـطنعہ
رجـلٌ کـافرٌ ظـاهرُ الکفـر ، هـذہ القـوانین الـتی
یصطنعها نـاس ینتسـبون للاسـلام،ثم یتعلّمهـا أبنـاء
المسلمین ویفخرون بذلک آبـاءً وأبنـاء،ثم یجعلـون
مـــــردّ أمــــرهم الی معتنقی هـــــذا "الیاســـــق
العصری"ویُحَقِّرون من یخالهم فی ذلـک،ویسـمون
من یـدعوهم الی الاستمسـاک بـدینهم وشـریعتهم
"رجعیًـا"و"جامـدًا"الی مثـل ذلـک من الألفـاظ
البزیئة،بل انهم أدخلوا أیدیهم فیمـا بقی فی الحکم
من التشـــریع الاســـلامی، یریـــدون تحـــویلہ الی
"یاسـقهم"الجدیـد بالهوینـا واللین تـارة،وبـالمکر
والخدیعة تـارة، وبمـا ملکت أیـدیهم من السـلطات
تارات،ویصرّحون ولا یستحیون بأنهم یعملـون علی
فصل الدولة من الدین !أفیجوز اذنہمع هذا ہلأحد
من المسلمین أن یعتنـق هـذا الـدین الجدیـد،أعـنی
التشـــریع الجدیـــد؟أوَیَجـــوز لرجـــل مســـلم أن یلیَ
القضاء فی ظل هذا"الیاسـق العصـری"وأن یعمـل
بہ ویُعـرِض عن شـریعتہ البیّنـة؟مـا أظن ان رجلًا
مسلماً یعرف دینہ ویُؤمن بہ جملة وتفصیلًا ویُـؤمن
بأن هذا القرآن أنـزلہ اللّٰہ علی رسـولہ صـلی اللّٰہ
علیہ وسلم کتابـاً مُحکمـاً لا یـأتیہ الباطـل من بین
یـدیہ،ولا من خلفہ،وبـأن طـاعتہ وطاعـة الرسـول
صلی اللّٰہ علیہ وسلم الدی جاء بہ واجبة قطیعـة
الوجـوب فی کـل حـال، مـا أظنہ یسـتطیع الّا أن
یجزم غیر متردد ولا متـأول،بـأن ولایـة القضـاء فی

ہذہ الحال باطلـة بطلانـاً أصـلیاً،لا یلحقہ التصـحیح ولا الاجـازة،ان الأمـر فی ہـذہ القـوانین الوضـعیة واضح وضوح الشمس ،ہی کُفـرٌ بـواح،لا خفـاء فیہ ولا مداورة ،ولا عـذر لأحـد ممن ینتسـب للاسـلامہ کائناً من کان ہ فی العمل بہا ، أو الخضـوع لہـا أو اقرارہا ، فلیحذر امرؤٌ لنفسہ ، وکل امرئٍ حسیبُ نفسہ''۔

''میں کہتا ہوں : کیا اللہ تعالیٰ کی شریعت میں یہ بـات جـائز ہوسـکتی ہے کہ مسـلمانوں کے ممالک میں شرکیہ و ملحدانہ یـورپی قـوانین سـے ماخوذ قانون کی حکمرانی ہو؟یا ایسے قـانون کی جس میں انسـانی خواہشـات اور باطـل آراء کـا دخل ہو، قانون بنانےوالے جیسے چاہیں انہیں بـدل دیں اور انہیں اس کی ذرا پرواہ نہ ہو کہ ان کے وضـع کـردہ قـوانین شـریعت کے موافـق ہیں یـا مخـالف؟ ہمـارے علم کے مطـابق مسـلمانوں کـو تاتاریوں کے دور کے علاوہ کبھی اپـنی پـوری تـاریخ میں اس طـرح کی آزمـائش کـا سـامنا نہیں رہا؛ اور یہ دورِ تاتـار بھی ہمـاری تـاریخ میں ظلم اور ظلمتوں کا بدترین دور تھـا۔ لیکن اس کے بـاوجود مسلمان اس فتنے کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے تھے بلکہ بالآخر اسلام ہی تاتاریوں پر غالب آیا تھـا اور اسلام نے انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر شریعت کے دائرے میں داخل کیا تھـا۔ نـیز مسـلمانوں کے اپـنے دین و شریعت پر جمے رہنے کے سبب تاتـاری عہد کے اثرات جلد ہی زائل ہوگئے تھے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظـر رہے کہ اس وقت کے ان تمـام ظالمـانہ اور باطـل احکامـات کـا مصـدر صـرف حکمـران طبقہ تھـا جب کہ امتِ مسـلمہ کے محکوم افراد اس عمل میں قطعاً شـریک نہ تھے، نہ تو انہوں نے اس قـانون کـو سـیکھا اور نہ ہی اپـنے بچـوں کـو اس کی تعلیم دی، لہٰـذا بہت جلد

ہی اس قانون کے اثرات زائل ہو گئے؟ کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ حافظ ابنِ کثیرؒ نے آٹھویں صدی ہجری میں دشمنِ اسلام چنگیز خان کے وضع کردہ اس قانون کے حوالے سے کس قدر واضح اور محکم مؤقف اختیار کیا ہے؟ کیا بالکل یوں نہیں محسوس ہوتا گویا وہ چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا حال بیان کررہے ہوں؟ البتہ ان دونوں زمانوں میں ایک فرق ضرور ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ وہ فرق یہ ہے کہ اس وقت یہ مرض صرف ایک حکمران طبقے کے ساتھ خاص تھا جو تھوڑے ہی عرصے میں امت کے رنگ میں رنگا گیا اور اس کے منفی اثرات امت پر سے جلد زائل ہو گئے۔ اس کے برعکس آج امتِ مسلمہ کی اکثریت ان خلافِ شریعت قوانین کو اپنا چکی ہے۔ پس اِن کا حال اس وقت کے مسلمانوں کی نسبت بدر جہا برا ہے اور یہ ان سے کہیں زیادہ ظلم و ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں۔آج کے یہ خود ساختہ قوانین و دساتیر بھی اس زمانے کے 'یاسق' کے مشابہ ہیں، البتہ (یہ فرق ضرور ہے کہ)اسے ایک ایسے کافر نے وضع کیا تھا جس کا کفر بالکل عیاں تھا، جبکہ آج کے قوانین ایسے لوگ وضع کرتے ہیں جو بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کی نئی نسلیں اسی قانون کی تعلیم حاصل کرتی ہیں، چھوٹے بڑے سبھی اس پر فخر کرتے ہیں، اور پھر اس ''دورِ جدید کے یاسق'' کو ماننے اور اپنانے والوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتے اور اعلیٰ عہدوں سے نوازتے ہیں۔ اس کے برعکس جو کوئی ان کے اس طرزِ عمل کی مخالفت کرے تو یہ اسے حقیر جانتے ہیں، اور جو(ان جاہلی قوانین کو چھوڑ کر)دین اور شریعت کو تھامنے کی دعوت دے اسے ''رجعت

پسند'' اور ''تنگ نظر''جیسے گھٹیا الفاظ سے پکارتے ہیں۔ یہ تو حیا سے اس قدر عاری ہوچکے ہیں کہ ان خود ساختہ قوانین میں موجود باقی ماندہ شرعی احکامات بھی ان کی دست درازی سے محفوظ نہیں۔ چنانچہ کبھی نرمی اور لطافت،کبھی مکرو فریب اور کبھی جبر و استبداد کا اسلوب کا استعما ل کرتے ہوئے یہ مستقل کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح ان باقی ماندہ شرعی احکامات کو بھی تبدیل کر کے(خالص کفر ی احکامات پر مشتمل)ایک جدید یاسق تشکیل دیں۔ اب تو یہ اس بات کا اعلان کرنے سے بھی نہیں شرماتے کہ ہم دین و سیاست کو علیحدہ کر نے کے لیے کوشاں ہیں!کیا اس سب کے بعد بھی کسی مسلمان کے لیے جائز ہوسکتاہے کہ وہ اس ''دینِ جدید''.........یعنی انسانوں کے وضع کردہ ان جدید قوانین.........کو قبول کر لے؟ کیا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہوسکتا ہے کہ وہ شریعت کی واضح تعلیمات سے منہ موڑ کر ''عصرِ حاضر کی یاسق'' تلے قاضی بننا قبول کرلے اور اس نئے دین پر عمل کرنے لگے؟

ہر وہ مسلمان جو اپنے دین کی معرفت رکھتا ہو، اجمالاً و تفصیلاً اس پر ایمان رکھتا ہو، اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک محکم کتاب کی صورت میں نازل فرمایا اور باطل کے اس میں درآنے کی کوئی گنجائش نہیں، اور اس پر بھی ایمان رکھتا ہو کہ اس کتاب اور اسے لانے والے رسول صلی علیہ اللہ وسلم کی پیروی کرنا ہر حال میں قطعی طور پر واجب ہے.........اس کے بارے میں تو میرا یہ گمان یہی ہے کہ وہ بغیر کسی تردّد یا تاویل کے پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہے گا کہ:ایسے قوانین کے تحت قاضی بننا سرے

سے باطل ہے جس کے جائز یا صحیح ہونے کی قطعاً کوئی صورت نہیں۔ یقیناً ان ''وضعی قوانین''(خود ساختہ قوانین) کا معاملہ اظہر من الشّمس ہے۔ان قوانین کا کفریہ قانون ہونا اتنا واضح اور بیّن امر ہے جس میں کسی شک و تردد کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے.........خواہ وہ کوئی بھی ہو.........ان قوانین پر عمل کرنے،ان کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے یا انہیں ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ پس ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اس فتنے سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنامحاسبہ کرنے کے لیے کافی ہے''۔[1]

(ج) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (۲۱الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کردیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔اور اگر فیصلہ(کے دن)کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک)ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا، اور یقیناً ظالموں کے لئے(اس دن)دردناک عذاب ہے''۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''أی:هم لایتبعون ما شرع اللّٰہ لک من الدین القویم،بل یتبعون ما شرع لهم شیاطینهم من الجن والانس،من تحریم ما حرموا علیهم،من البحیرة والسائبة والوصیلة والحام،وتحلیل المیتة والدم والقمار،الی نحو ذلک من الضلالات والجهالة

[1] عمدة التفسیر ۱۷۲:۱۷۱/۴

الباطلة،التی کانوا قد اخترعوها فی جاهلیتهم ،من التحلیل والتحریم ،والعبادات الباطلة والأقوال الفاسدة''۔

''یعنی یہ اس دینِ قویم کی پیروی کو چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر فرمایا ہے،ان قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے شیاطینِ جن وانس نے ان کے لیے مقرر کئے ہیں ۔ان باتوں میں بحیرہ ،سائبہ ،وصیلہ اور حام وغیرہ کا حرام قرار دیا جانااور مردار،خون اور جوئے کا حلال ٹھہرایا جانا بھی شامل ہے ۔یہ قوانین دورِ جاہلیت میں گھڑے گئے ایسے ہی دیگر گمراہ کن، باطل اور جاہلانہ امور پر مشتمل ہیں، جن میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دیا گیا ہے ،نیز بعض فاسد اقوال اور بعض باطل عبادات کو شامل کیا گیا ہے''۔[1]

(د)امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''أتیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ،وفی عنقی صلیب من ذهب،فقال:''یا عدی. اطرح عنک هذا الوثن ''.وسمعتہ یقرأ فی سورة البراءة﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾قال:أما انهم لم یکونوا یعبدونهم،ولکنهم کانوا اذا أحلوا لهم شیئاً استحلوہ،واذا حرموا علیهم شیئاً حرموہ''.

''میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی ،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عدی!اس بت کو اتار پھینکو''۔

[1] تفسیر ابن کثیر ۔ تفسیر سورة المائدة:آیت ۶۸/۲:۵۰

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتِ برأت (سورۂ توبہ) کی یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے سنا: انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''یہ (اہلِ کتاب) ان (علماء اور درویشوں) کی (باقاعدہ) عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لئے کوئی چیز حلال قرار دیتے تو یہ لوگ اسے حلال مان لیتے اورجب وہ ان پر کوئی چیز حرام ٹھہرا دیتے تو یہ اسے حرام سمجھ لیتے (پس یہ تحلیل وتحریم کا حق انہیں تفویض کرنا ہی گویا ان کی عبادت کرنا ہے)''۔[1]

''یعنی یہ اس دینِ قویم کی پیروی چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر فرمایا ہے، ان قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے شیاطینِ جن و انس نے ان کے لیے مقرر کئے ہیں۔ ان باتوں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کا حرام قرار دیا جانا اور مردار،خون اور جوئے کا حلال ٹھہرایا جانا بھی شامل ہے۔ یہ قوانین دورِ جاہلیت میں گھڑے گئے ایسے ہی دیگر گمراہ کن، باطل اور جاہلانہ امور پر مشتمل ہیں، جن میں بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، نیز بعض فاسد اقوال اور بعض باطل عبادات کو شامل کیا گیا ہے''۔[2]

---

[1] سنن الترمذی ۲۷/۵. مزید حوالوں کیلئے رجوع کیجئے:سنن سعید بن منصور ۲۴۵/۵، سنن البیهقی الکبریٰ ۱۰/۱۱۶، مصنف ابن أبی شیبہ ۱۵۶/۷، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/۹۲، شعب الایمان ۷/۴۵، فتح القدیر ۲/۳۵۵

[2] تفسیر الطبری ۱۰/۱۱۴ :۵. مزید حوالوں کیلئے رجوع کیجئے:فتح القدیر ۳۵۵/۲، تفسیر ابن کثیر ۳۵۰/۲

اس حدیث میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدیؓ بن حاتم کے سامنے یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نصاریٰ کو مشرکین میں اس لیے نہیں شمار فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے اپنے علماء و مشائخ کے لیے مراسم عبودیت بجا لاتے تھے، بلکہ انہیں اس لیے مشرک قرار دیا ہے کہ جب یہ علماء اللہ کی کتاب میں بیان کردہ حلال کو حرام یا اس میں بیان کردہ حرام کو حلال قرار دیتے تو نصاریٰ یہاں بھی ان کی پیروی کرتے تھے۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا گمان تھا کہ عبادت کا مفہوم صرف نماز، روزے جیسے مراسمِ عبودیت تک محدود ہے۔ پس چونکہ نصاریٰ نماز اور روزے جیسی عبادات اپنے علماء اور درویشوں کے لیے نہیں(بلکہ اللہ ہی کے لیے)ادا کرتے تھے اس لیے حضرت عدی نے یہی سمجھا کہ یہ اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں مانتے۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس شبہے کو زائل کرتے ہوئے ان پر واضح کیا کہ جب عیسائیوں کے علماء نے حرام یا حلال قرار دینے کے معاملے میں شریعت کی مخالفت کی اور اس کے باوجود بھی عیسائیوں نے ان کی اطاعت کی تو گویا انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کےمقابلے میں اپنا رب بنا لیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔ چنانچہ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عن ابی البختری قال:قیل لحذیفة أرأیت قول اللّٰہ اتخذوا أحبارهم؟قال:أما انهم لم یکونوا یصومون لهم ولا یصلون لهم ،ولکنهم کانوا اذا أحلوا لهم شیئاً استحلوہ،واذا حرموا علیهم شیئاً أحلہ لهم حرموہ،فتلک کانت ربوبیتهم''.

''ابو البختری سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اللہ رب العزت کے اس فرمان'' اتخذوا أحبارهم ....''

کا معنی کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اہلِ کتاب ان(علماء ومشائخ)کے لیے نماز، روزے جیسی عبادات نہیں بجالاتے تھے بلکہ جب وہ ان کے لئے کوئی چیز حلال قراردیتے تو یہ اسے حلال قرار دیتے اور جب وہ ان کے لیے اللہ کی حلال کردہ کوئی چیز حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام سمجھ لیتے، پس یہی تو ان کو رب بنانا ہے!''

.........امام سدی سے منقول ہے کہ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لم یأمروهم أن یسجدوا لهم،ولکن أمروهم بمعصیة اللّٰہ فأطاعوهم، فسماهم اللّٰہ بذلک أرباباً''.

''ان علماء اور درویشوں نے اہلِ کتاب کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ انہیں سجدے کریں، بلکہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا تھا.........اور انہوں نے پھر بھی ان کی اطاعت کی اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انہیں 'رب' قرار دیا''۔[1]

اس فہم پر سلفِ صالحین اور آئمہ اسلام کا اجماع ہے۔ بطورِ نمونہ ان میں سے بعض کے اقوال یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔

امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وانما وصفهم اللّٰہ تعالی بأنهم اتخذوا أرباباً،لأنهم أنزلوهم منزلة ربهم وخالقهم فی قبول تحریمهم وتحلیلهم،لما لم یحرمہ اللّٰہ،ولم یحللہ،ولا یستحق أحد أن یطاع بمثلہ الا اللّٰہ تعالی،الذی هو خالقهم.والمکلفون کلهم متساوون فی لزوم

[1] تفسیر الطبری ۵:۱۰/۱۱۴.مزید حوالوں کیلئے رجوع کیجئے:فتح القدیر ۳۵۵/۲،تفسیر ابن کثیر ۳۵۰/۲

عبـادة اللّٰہ واتبـاع أمـرہ وتـوجیہ العبـادة الیہ دون غیرہ''.

''اللہ تعالیٰ نے ان (اہلِ کتاب)کے بارے میں فرمایـا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء درویشوں کـو رب بنـا لیا تھا، کیونکہ انہوں نے چـیزوں کـو حلال وحـرام قــرار دیــنے کے معــاملے میں انہیں اپــنے رب اور خالق جیسا مقام عطا کیاتھاہ (پس یہ اپـنے علمـاء ومشـــائخ کے حلال کـــردہ حلال اور ان کے حـــرام کــردہ کـو حـرام مـانتے تھے)خـواہ اللہ نے انہیں حلال یا حرام قرار دیـا ہو یـا نہ، حـالانکہ ایسـی (غیر مشروط)اطاعت کا مسـتحق تـو اللہ خـالقِ کائنات کے سوا کـوئی نہیں، مکلفین تـو سـب کے سب ہی اللہ کی عبادت کرنے، اس کے احکامـات کی پیروی کرنے اور تمام عبادات کـا اسـی کے لـیے خالص کرنے کے ایک سے پابند ہیں''۔[1]

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہ أَرۡبَابًــا مِّن دُون اللّٰہِ ۔یعــنی ســادة لھم من دون اللّٰہ،یطیعونھم فی معاصی اللّٰہ،فیحلون ما أحلــوہ لھم ممــا قــد حــرمہ اللّٰہ علیھم،ویحرمــون مــا یحرمونہ علیھم، مما قد أحلہ اللّٰہ لھم''.

.........وأمـا قــولہ:ہ وَمَـا أُمِــرُوا الّا لِیَعۡبُــدُوا الھــاً وَاحِــدًا۔فــانہ یعــنی بہ وما أمــر ھــؤلاء الیھــود والنصاری الذین اتخذوا الأحبار والرھبـان والمسـیح أرباباً الا أن یعبدوا معبوداً واحداً،وأن یطیعوا الا ربـاً واحداً دون أربـاب شـتی،وھـو اللّٰہ الـذی لہ عبـادة کل شئ وطاعـة کـل خلـق،المسـتحق علی جمیـع خلقہ الدینونــة لہ بالواحدانیــة والربوبیــة.ہلَّا الٰہ الّا ھُوَہ یقول تعالی ذکرہ :لا تنبغی الألوھیة الا لواحــد الــذی أمــر الخلــق بعبــادتہ ولــزمت جمیــع العبــاد

---

[1] احکام القرآن للجصاص ۲۹۷/۲

طاعتہ. ﴿سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ يقول:تنزيهاً وتطهيراً عما يشرک فی طاعتہ.

''اللہ کے سوا رب بنانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے مقابلے میں انہیں سردار بناتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی میں انکی اطاعت کرتے ہیں، پس وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔

.........اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿اور انہیں تو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں﴾تو اس کامعنی یہ ہے کہ علماء، درویشوں اور مسیح علیہ السلام کو رب بنالینے والے ان یہود و نصاریٰ کو تو یہی حکم تھا کہ یہ معبودِ واحد کی عبادت کریں، مختلف ارباب چھوڑ کر صرف ایک رب کی عبادت کریں، اس اللہ کی اطاعت کریں جس کی عبادت ہر شے کرتی ہے اور جس کی اطاعت کی ہر مخلوق پابند ہے،جو اس بات کا مستحق ہے کہ تمام مخلوق اسی کا دین اختیار کرے اور اسی وحدانیت و ربوبیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔یعنی الوہیت کے لائق صرف وہی ذاتِ واحد ہے جس نے مخلوق کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور تمام بندوں پر جس کی اطاعت لازم ہے۔

پھر فرمایا:﴿پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کی جناب میں کرتے ہیں﴾یعنی: اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے اس بات سے کہ اطاعت کے معاملے میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا جائے''۔[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] تفسیر الطبری ۱۱۵:۱۱۴/۱۰

''قولہ تعالی :﴿ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّٰہِ﴾أی لا نتبعہ فی تحلیل الا فیما حللہ اللہ تعالی.وھو نظیر قولہ تعالی:﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰہِ﴾معناہ أنھم أنزلوھم منزلة ربھم فی قبول تحریمھم و تحلیلھم لما لم یحرمہ اللہ ولم یحلہ اللہ''.

''ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ :اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔ یعنی کسی چیز کو حلال قرار دینے میں انکی پیروی نہ کریں سوائے ان چیزوں میں جنہیں خود اللہ نے حلال قرار دیا ہو۔ یہ فرمانِ مبارک اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرمان کے مانند ہے، جہاں ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا۔یعنی وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام قرار نہیں دیا تھا، اہلِ کتاب نے انہیں حلال وحرام قرار دینے کے معاملے میں اپنے علماء و درویشوں کو رب کا مقام دے رکھا تھا''۔[1]

ابن حزم رحمہ اللہ،اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان﴿وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّٰہِ﴾''انہوں نے اپنے علماء و درویشوں کا اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''لمّا کان الیھود والنصاری یحرِّمون ما حرَّم أحبارھم ورھبانھم، ویحلّون ما أحلوا کانت ھذہ ربوبیة صحیحة قد دانوا بھا،وسمی اللہ تعالی ھذا العمل اتخاذ أرباب من دون اللہ وعبادة،وھذا ھو الشرک من دون اللہ بلا خلاف''.

''جب یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی حرام کردہ چیزوں کو حرام اور حلال کردہ چیزوں کو حلال جانا تو یہی بات ٹھیک طور پر

[1] تفسیر القرطبی ۱۰۶/۴

ربوبیت اور عبادت کہلائی، اور اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کو 'اللہ کے سوا رب بنانے' اور 'غیر اللہ کی عبادت' کرنے سے تعبیر کیا ہے اور بلاشبہ اس عمل کے شرک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں''۔[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''فقد بیّنَ النبی -- صلی اللّٰہ علیہ وسلم – أن عبادتهم إیاهم کانت فی تحلیل الحرام وتحریم الحلال،لا أنهم صلوا لهم وصاموا لهم،ودعوهم من دون اللّٰہ، فهذہ عبادة الرجال،وقد ذکر اللّٰہ أن ذلک شرک بقولہ:﴿لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سُبۡحٰنَہٗ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ﴾''.

''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ بات واضح کردی کہ حرام کو حلال قرار دینے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات ماننا ہی ان کی عبادت کرنا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کے لیے نماز پڑھتے تھے یا ان کی خاطر روزے رکھتے تھے یا اللہ کے سوا انہیں پکارا کرتے تھے۔(حلال و حرام قرار دینے کے مسئلے میں اللہ کی بجائے انسانوں کی اطاعت کرنا) دراصل انسانوں کی عبادت کر نا ہے اور اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ اسے شرک قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں﴾''[2]

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وقولہ تعالی:﴿ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡھُمۡ اِنَّکُمۡ لَمُشۡرِکُوۡنَ﴾أي حیث عدلتهم عن أمر اللّٰہ لکم و

---

[1] الفصل ۶۶/۳

[2] مجموع الفتاویٰ ۶۷/۷

شرعہ إلی قول غیرہ، فقدمتم ذلک، فهذا هو شرک، کقوله تعالی: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ الآیة. وقد روی الترمذي فی تفسیرها عن عدي بن حاتم أنه قال: یارسول اللہ ما عبدوهم، فقال: ''بلی إنهم أحلوا لهم الحرام، وحرموا علیهم الحلال، فاتبعوهم، فذلک عبادتهم إیاهم“.

’’اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اوراگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہوجاؤگے'' یعنی جب بھی تم نے اللہ کے احکامات اور اس کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کا قول اختیار کیا اور اسے اللہ کی شریعت پر مقدم ٹھہرایا تو یہی عین شرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''انہوں نے اپنے علماء ودرویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا رکھا تھا'' امام ترمذیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عدیؓ بن حاتم کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ:

''اے اللہ کے رسول! انہوں نے ان کی عبادت تو نہیں کی''۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیوں نہیں، ان کے علماء ومشائخ نے حرام چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا اور انہوں نے پھر بھی ان کی پیروی کی، اسی کو تو عبادت کہتے ہیں''۔[1]

اسی طرح درج ذیل آیتِ مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے امام ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾

''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا تھا''۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۱۷۲/۲

وقال السدي:استنصحوا الرجال،ونبذوا كتاب اللّٰہ وراء ظهورهم،ولهذا قال تعالى:﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا﴾أي الذي اذا حرم الشیء فهو الحرام،وما حللہ فهوالحلال،وما شرعہ اتبع،وما حكم بہ نفذ،﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾أي تعالى تقدس وتنزہ عن الشركاءوالنظراء والأعوان والأضداد والأولاد،لاإلہ إلا هو، ولا رب سواہ''.

''امام سدی ہ فرماتے ہیں:(آیتِ مبارکہ کا مقصود یہ ہے کہ)انہوں نے انسانوں کو اپنا خیر خواہ جانتے ہوئے ان کی طرف رجوع کیا اور اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿اور انہیں تو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الٰہ کی عبادت کریں﴾ یعنی وہ الٰہ واحد جو کسی چیز کو حرام قرار دے تو وہ حرام ہوگی اور جسے وہ حلال کردے وہی حلال ہوگی، وہ ذات جس کی شریعت واجب الاتباع ہے اور جس کا حکم نافذالعمل ہے۔اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ اس کے ساتھ کرتے ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ ا ن کے مقرر کردہ شریکوں و نظیروں سے، انصار واعوان سے اور اضدادو اولاد سے پاک اور بلند وبرتر ہے، اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، نہ ہی اس کے سوا کوئی پروردگا ر ہے''۔[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''ومعنى الآية أنهم لما أطاعوهم فيما يأمرونهم بہ وينهونهم عنہ،كانوا بمنزلة المتخذين لهم أرباباً ،لأنهم أطاعوهم كما تطاع الأرباب''.

''آیتِ مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کے اوامر ونواہی کی

[1] تفسیر ابن کثیر ۳۵۰/۲

(غیر مشروط)اطاعت کی تو گویا انہیں رب بنا لیا، کیونکہ جس طرح رب کی(غیر مشروط) اطاعت کی جاتی ہے اسی طرح انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کی اطاعت بھی (غیر مشروط)انداز سے کی''۔[1]

(ہ) علامہ شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''القضاء فی الأموال والأعراض والدماء بقانون مخالف لشریعة أهل الإسلام، وإصدار قانون ملزم لأهل الإسلام بالاحتکام إلی حکم غیر حکم اللہ، هذا الفعل إعراض عن حکم اللہ،ورغبة عن دینہ،وهذا کفر لایشک أحد من أهل القبلة علی اختلافهم في تکفیر القائل بہ والداعي الیہ''.
'' لوگوں کی جان، مال اور آبرو کے معاملات میں کسی ایسے قانون کی بنیاد پر فیصلے صادر کرنا جو شریعت کے مخالف ہو اور ایسے قانون بنانا جو مسلمانوں کو احکاماتِ الٰہی چھوڑ کر کسی دوسرے قانون کی طرف رجوع کرنے کا پابند کرتے ہوں.........ایسا کرنا اللہ کے حکم سے اعراض او ر اس کے دین سے کراہت کے مترادف ہے، اور اہلِ قبلہ کے تمام مختلف طبقات اس کے کفر ہونے میں ذرا شک نہیں کرتے، نہ ہی اس کی طرف بلانے اور دعوت دینے والے کو کافر کہنے میں تردد کرتے ہیں''۔[2]

(و) علامہ محمد امین الشنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''تحکیم النظام المخالف لتشریع خالق السماوات والأرض فی أنفس المجتمع وأموالهم وأعراضهم وأنسابهم کفر بخالق السماوات والأرض وتمرد علی نظام السماء،الذي وضعہ من خلق الخلائق

[1] فتح القدير ٣٥٣/٢
[2] حاشية تفسير ابن جرير، للشيخ أحمد شاكر رحمہ اللہ ٣٤٨/٢

كلها،وهو أعلم بمصالحها سبحانه وتعالى أن يكون معه مشرع آخر علواً كبيراً ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاء شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾، ﴿قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَاماً وَحَلاَلاً قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾''.

''لوگوں کے جان، مال،عزت اور نسب کے معاملات میں فیصلے کے لیے خالقِ ارض و سماء کی نازل کردہ شریعت کے مخالف کسی نظام کی طرف رجوع کرنا خالقِ ارض و سماء کے ساتھ کفر اور اس نظامِ کائنات کے خلاف سر کشی ہے جسے اس عالی ذات نے وضع کیا ہے.........جو تمام کائنات کا خالق ہے اور ان کی مصلحت و بھلائی سے خوب واقف ہے۔ وہ بہت پاک اور بلند ہے اس بات سے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریعت ساز بھی ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقرر کردیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔

اور ارشاد ہے :۔آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو:اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرایا اور بعض کو حلال، (ان سے)پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔''[1]

دوسری فصل

دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی مثالیں

[1] أضواء البيان ۸۴/۴

اللہ تعالیٰ کی توفیق و نصرت سے ہم اس فصل میں دستورِ پاکستان کی بعض ایسی دفعات کا ذکر کریں گے جو شریعت کے متفق علیہ،اجمالی حکم سے متصادم ہیں۔البتہ یہاں دستور اور شریعتِ اسلامی کے مابین پائے جانے والے تمام تضادات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں،بلکہ اختصار کے پیشِ نظر صرف نمایاں ترین تضادات کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

میں نے اس بحث کو درجِ ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے:

(۱) پہلا تضاد: نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط،غیر مقید اور مطلقِ حق قانون سازی حاصل ہے۔

(۲) دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

(۳) تیسرا تضاد: سربراہِ ریاست (یعنی صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۴) چوتھا تضاد: قاضی کے لیے 'عادل' ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی،جبکہ'مسلمان' ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے۔

(۵) پانچواں تضاد: سربراہِ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط عائد نہیں کی گئی

(۶) چھٹا تضاد: ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دئیے جانے سے قبل کیا ہو

(۷) ساتواں تضاد: آئینِ پاکستان ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے مطلقاً منع کرتا ہے۔

(۸) آٹھواں تضاد: سود کے حوالے سے دستور کا مؤقف

پہلا تضاد

نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو غیر مشروط، غیر مقید اور مطلقِ حق قانون سازی حاصل ہے

آئین کی دفعات ۲۳۸ اور ۲۳۹ واضح طور پر مجلس شوریٰ (یعنی پارلیمان)کے نمائندوں کی غالب اکثریت کا یہ حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ دستور میں جیسے چاہیں ترمیم کریں اور اس حق کے استعمال پر کسی بھی سطح پر کوئی پوچھ گچھ اور محاسبہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس مسئلہ پر کچھ مفصل بحث پہلے باب کے دوسرے بند میں گزر چکی ہے۔

دوسرا تضاد

بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

دستورِ پاکستان نے واضح طور پر کئی شخصیات اور اداروں کو ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیا ہے۔ نہ تو شرعی عدالت اور نہ ہی کسی

دوسرے عدالت میں ان کے افعال پر گرفت کرنا ممکن ہے۔ لیکن اس سے قبل کہ میں مثالوں کے ذریعے اس نکتے کو واضح کروں، پہلے ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ شریعت ایسے قانونی تحفظ کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے۔چنانچہ میں نے.........اللہ کی توفیق سے.........اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(الف) پہلا مبحث: کیا کسی شخصیت یا ادارے کا ایسا قانونی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

(ب) دوسرا مبحث: دستورِ پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں۔

(الف)پہلا مبحث

کیا کسی شخصیت یا ادارے کوایسا قانونی تحفظ حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی احکامات کی پابندی اور اطاعت سے مستثنیٰ ہو جائے؟

یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے کہ کسی شخص یا ادارے کو یہ دعویٰ کرنے یا یہ زعم رکھنے کا کوئی

حق حاصل نہیں کہ اس کے تصرفات شرعی محاسبہ سے بالاتر ہیں۔ پس جب محض ایسا زعم رکھنا بھی شرعاً جائز نہیں تو باقاعدہ قانون سازی کے ذریعہ کسی فرد یا ادارے کو شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیناکیسے جائز ہوسکتا ہے؟ یہاں میں مختصراً چند مثالیں ذکر کروں گا جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم،صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمان کس طرح شرعی احکامات اور عدالتی فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ نیز ان مثالو ں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ دستورِ پاکستان میں موجود اس شیطانی اصول کی نظیر پوری اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، حتیٰ کہ اسلامی نظامِ حکومت کے تحت گزرنے والے ظلم اور انحراف کے بدترین ادوار بھی اس شیطانی اصول سے پاک رہے۔لیکن بالآخر فرنگی استبدادی ثقافت کے فرزند اور غاصب کفار کے آلۂ کار امت پر غالب آئے اور انہوں نے اس شیطانی اصول کو باقاعدہ قانون کا درجہ دیا۔

چنانچہ ایک نام نہاد اسلامی ریاست پاکستان کے نام نہاد اسلامی دستور میں درج اس اصول کی حقیقت کھولنے کے لیے میں اپنی بحث کو درج ذیل نکات میں تقسیم کروں گا:

پہلا نکتہ:نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

دوسرا نکتہ:اقوالِ علماء سے اس فاسد اصول کا رد

تیسرا نکتہ:اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے

پہلا نکتہ:نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ اور خلفائے راشدین رضوان

اللہ علیہم اجمعین کی پاکیزہ سیرتوں سے اس فاسد اصول کا رد

اولاً:سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

(١)''عَنْ عَائِشَة رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهَا:أَنَّ قُرَيْشاً أَهَمَّهُمُ الْمَرْأَةُ الْمَخْزُومِيَّةُ ،الَّتِي سَرَقَتْ ،فَقَالُوا:مَنْ يُكَلِّمُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَكَلَّمَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:''أَتَشْفَعُ فِيحَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰہِ؟''.ثُمَّ قَامَ خَطَبَ قَالَ:''يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ ،وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ. وَايْمُ اللّٰہِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا''.

امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مخزومی خاتون نے چوری کی جس پر قریش کے لوگ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے محبوب اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تو کوئی بھی آپ سے اس خاتون کی سفارش (کرنے کی جرأت)نہیں کرسکتا۔ چنانچہ(لوگوں کے کہنے پر)اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مخزومی خاتون کی سفارش کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

''اے لوگوں!تم سے پہلی امتوں کے گمراہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ جب کوئی معزز فرد چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو ا س پر حد قائم

کرتے ہیں اللہ کی قسم !اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)بھی چوری کرتی تو خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)اس کا ہاتھ کاٹتے''۔[1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث میں موجود ’فوائد‘بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وفیہ ما یدلّ علی أن فاطمة علیها السلام عند أبیها صلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فِي أعظم المنازل.

.........وفیہ ترک المُحابة فی إقامةالحدّ علی من وجب علیہ ولو کان ولدًا أو قریباً أو کبیر القدر والتشدید فی ذلک و التشدید فی ذلک والإنکار علی من رخّص فیہ أو تعرّض للشفاعة فیمن وجب علیہ.

.........وفیہ الإعتبار من مضی من الأمم ولا سیما من خالف أمر الشرع''.

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والدِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عظیم ترین مقام کی حامل تھیں۔

.........نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف حد قائم کرنا واجب ہو جائے تو اسے سزا سے بچانے کی کوشش کرنا درست نہیں، چاہے وہ شخص اپنا بیٹا یا قریبی رشتے دار یا کوئی بہت محترم آدمی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث اس معاملے میں بہت سختی کا درس دیتی ہے اور اس شخص پر گرفت کرتی ہے جو کسی مستحقِ سزا فرد کے لیے رخصت تلاش کرے یا اس کے حق میں سفارش کرے۔

[1] صحیح البخاری.کتاب الحدود، باب کراهیة الشفاعة فی الحد إذا رفع إلی السلطان ، حدیث (۶۰۴۶)

.........اسی طرح یہ حدیث گزشتہ قوموں، بالخصوص شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے احوال سے عبرت حاصل کرنا بھی سکھاتی ہے''۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ففي هذه القصة عبرةٌ؛فإنّ أشرف بيتٍ كان في قريشٍ بطنان؛ بنو مخزوم وبنو عبد مناف. فلمّا وجب على هذه القطع بسرقتها ، التي هي جحود العارية على قول بعض العلماء أو سرقةٌ أخرى غيرها على قول آخرين ،وكانت من أكبر القبائل وأشرف البيوت،وشفع فيها حِب رسول اللہ صلّى اللہ عَلَيہ وَسَلَّمَ أسامة،غضب رسول اللہ صلى اللہ عليہ وسلم ،فانكر عليہ دخولہ فيما حرمہ اللہ؛ وهو الشفاعة في الحدود،ثم ضرب المثل بسيدة نساء العالمين،وقد برأها اللہ من ذلک،فقال:لَو أَنَّ فَاطِمَةَ بِنتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَت لَقَطَعتُ يَدَهَا''.

''اس واقعہ میں ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے کیونکہ بنو مخزوم اور بنو عبد مناف قریش کی معزز ترین شاخیں سمجھی جاتی تھیں۔ پس جب(بنو مخزوم کی)اس عورت نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹنا شرعاً واجب ہو گیا۔اس چوری کے حوالے سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ عورت دراصل ادھار واپس کرنے سے انکاری ہوگئی تھی جبکہ بعض کے نزدیک یہ چوری ہی کا واقعہ تھا۔ اب باوجود اس کے کہ یہ عورت (عرب کے)سب سے بڑے قبیلے اور اس قبیلے کی سب سے معزز شاخ سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے حق میں سفارش کرنے والی ہستی بھی رسول اللہ علیہ وسلم کے محبوب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے.........لیکن پھر بھی رسول اللہ علیہ

---

[2] فتح الباری لابن حجر .کتاب الحدود، باب کراهية الشفاعة فی الحد إذا رفع إلى السلطان، حديث(۶۴۰۶)۹۶/۱۲

وسلم غصے میں آگئے اور آپ نے اللہ کے حرام کردہ امور میں مداخلت کرنے اور حدود اللہ کے معاملے میں سفارش کرنے پر سختی سے ٹوکا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جہانوں کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا.........حالانکہ اللہ نے انہیں چوری جیسے قبیح فعل سے بری ہی رکھا تھا کہ:

''اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا!''[1]

اس حدیث شریف میں نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے بیان فرمادیا ہے کہ:

(الف)کوئی شخص کتنا ہی معزز کیوں نہ ہوجائے، وہ شریعتِ مطہرہ کے احکامات کی پابندی سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتے پر زور دینے کے لیے اپنی پیاری بیٹی اور خواتینِ عالم کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی مثال تک دے ڈالی۔ تو کیا پرویز اور اس جیسے گھٹیا لوگوں کا مقام، نعوذ باللہ،حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مقام سے بھی بڑھ گیا ہے کہ انہیں شرعی احکامات کی پابندی سے بالاتر قرار دیا جائے؟

(ب)اس قسم کی بے جا طرف داری اور طبقاتی تفریق سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باعث بنی اور آج پاکستان اور دیگر ممالک میں بھی ہم بعینہ یہی سب ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

---

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیة .السیاسة الشرعیة في إصلاح الراعی الرعیة،فصل فی أن الحکمبین الناس یکون في الحقوق والحدود،القسم الأول:الحدود والحقوق التي لیست لقوم معینین. ٢٩٩/٢٨

عن البراء بن عازب رضي اللہ عنہ قال:مُرَّ على النبي صلی اللہ علیہ وسلم بيهودي محمّماً مجلوداً،فدعاهم صلی اللہ علیہ وسلم ،فقال:"هَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟"قالوا:نعم .فدعا رجلاً من علمائهم،فقال:"أَنْشُدُكَ بِاللہِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى أَهَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟".قال:لا ولولا أنك نشدتني بهذا لم أخبرك.نجده الرجم،ولكنہ كثر في أشرافنا، إذا أخذنا الشريف تركناه،وإذا أخذنا الضعيف أقمنا عليہ الحدّ. قلنا التحميم والجلد مكان الرجم. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :"اللَّهُمَّ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ".فأمر بہ فرُجِم فأنزل اللہ عزّوجلّ:يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الكُفْرِ إلى قولہ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ.........الحديث".

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی گزارا گیا جسے منہ کالا کر کے کوڑے مارے جارہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بُلایا اور پوچھا کہ:

"کیا تمہاری کتاب میں زانی کی یہی سزا (حد)بیان کی گئی ہے؟"

تو انہوں نے کہا:

جی ہاں

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایک عالم کو بلایا اور پوچھا:

"میں تجھے اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسی علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، کیا تم اپنی کتاب میں زانی یہی حد پاتے ہو؟"

تو اس نے کہا:

نہیں، او ر اگر تم نے مجھے یہ قسم نہ دی ہوتی تو میں تمہیں کبھی بھی سچ نہ بتاتا۔ تورات میں تو رجم (سنگساری)کی سزا ہی مذکور ہے، لیکن کیا کریں کہ ہمارے معزز لوگوں میں زنا کا جرم کثرت سے پھیل گیا۔ پس جب ہم کسی معزز شخص کو اس جرم میں پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف ہمارے ہاتھ چڑھتا تو اس پر حد قائم کردیتے۔ بالآخر ہم نے کہا کہ آؤ کسی ایسی سزا پر متفق ہو جائیں جو معزز اور کمتر دونوں قسم کے افراد کو دی جاسکے، پھر ہم نے رجم کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کردی۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ!میں تیرے اس حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں جسے یہ لوگ ترک کرچکے ہیں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس یہودی کو رجم (سنگسار)کردیا گیا۔ اس موقع پر اللہ عزو جل نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ سے لے کر ﴿إِنْ أُتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ﴾ تک“۔

(۳)امام بیہقی ابن ابی لیلیٰ سے روایت نقل کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

قال کان اسید بن حضیر رجلًا ضاحکاً ملیحا قال:فبینما هو عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، یحدث القوم ویضحکھم فطعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بأصبعه في خاصرته،فقال:أو جعتن.قال:''اقتص''.قال:یا رسول اللّٰہ إن علیک قمیصاً،ولم یکن علي قمیص.قال:فرفع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قمیصه،فاحتضنه، ثم جعل یقبل

كشحة،فقال:بأ بي أنت وأمی یا رسول اللّٰہ! أردت هذا''.

''حضرت اسید بن حضیر (رضی اللہ عنہ)ایک خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی تھے، ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر کے انہیں ہنسا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں اپنی انگلی چبھو دی،تو انہوں نے کہا:

آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تو پھر بدلہ لے لو!

انہوں نے کہا:

آپ نے تو قمیض پہن رکھی ہے جب کہ میں نےقمیض نہیں پہنی ہوئی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قمیض اوپر اٹھادی، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے پہلو کو بوسہ دینے لگے، پھر فرمایا:

اے اللہ کے رسول!میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں تو بس یہی چاہتا تھا''۔[1]

شیخ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اور جیسا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں،یہ روایت امام بیہقی نے ابو لیلیٰ سے قوی سند کے ساتھ روایت کی ہے.........''[2]

---

[1] سنن البیهقی الکبریٰ.باب ماجاء فی قتل الأمام ۴۹/۸،وباب ماجاء في قبلة الجسد حديث (۱۳۳۶۴)سنن ابی داؤد.کتاب الأدب، باب فی قبلة الجسد حدیث(۵۲۲۴) ۳۵۶/۴

[2] کشف الخفاء. حرف الطاء المهملة ، طلب الإستقادة من النبي صلى اللّٰہ علیہ وسلم .حدیث(۱۶۶۱)۵۳/۲

نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

(۴) ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''وحدثني حبان بن واسع بن حبان عن أشياخ من قومه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عدّل صفوف أصحابه يوم بدر، وفى يده قدحٌ يُعَدِّل به القوم، فمرّ بسواد بن غزيّة حليف بنى عديّ بن النّجّار وهو مستنتل من الصفّ، فطعن في بطنه بالقدح، وقال: ''استَوِ يَا سَوّادُ''. فقال يا رسول اللّٰه أوجعتني، وقد بعثک اللّٰه بالحق والعدل. قال: فَأَقِدْنِي. فكشف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن بطنه، وقال: ''استَقِدْ''. قال فاعتنقه، فقبّل بطنه. فقال: ''مَا حَمَلَکَ عَلَى هَذَا يَا سَوّادُ؟''. قال: يا رسول اللّٰه حضر ما ترى، فأردت أن يكون آخر العهد بک أن يمسّ جلدي جلدک، فدعا له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بخير''.

''مجھ سے حبان بن واسع بن حبان نے اپنی قوم کے بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی صفیں درست فرما رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی جس کے ذریعے آپ صفوں کو سیدھا کر رہے تھے، کہ اسی دوران آپ کا گزر بنی عدی بن النجار کے حلیف سواد بن غَزِیہ (رضی اللہ عنہ) پر ہوا، جو صف سے قدرے آگے نکلے ہوئے تھے، تو آپ نے ان کے پیٹ میں لاٹھی چبھو کر فرمایا:
اے سواد! سیدھے ہو جاؤ!
تو سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

---

[3] مشکاة المصابيح بتحقيق الألبانى حديث (۴۶۸۵) ۱۴/۳، صحيح وضعيف سنن أبى داؤد حديث (۵۲۲۴) ۲۲۴/۱۱

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، اور اللہ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا مجھے بدلہ چاہیے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطنِ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور اُن سے فرمایا:

بدلہ لے لو۔

تو وہ آپ کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کے بطنِ مبارک کا بوسہ لینے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے سواد! کس بات نے تمہیں یہ حرکت کرنے پر ابھارا؟

انہوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ دشمن سے ٹکراؤ کا موقع آگیا ہے، پس میں چاہتا تھا کہ میرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کا اختتام یہ ہو کہ میری جلد آپ کی جلد کو چھو لے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی‘‘۔[1]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔[2]

ثانیاً:خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ سیرتوں سے دلائل

(۱)حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا اسوہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وقال محمد بن اسحاق:حدثنی الزهري،حدثني أنس بن مالک،قال:لما بویع أبوبکر فی السقیفة وکان الغد جلس أبوبکر علی المنبر،وقام عمر

[1] سیرة ابن هشام.غزوہ بدرالکبریٰ۶۲۶/۲

[2] السلسلة الصحیحة حدیث (۲۸۳۵) ۳۳۴/۶

فتكلم قبل أبي بكر، ثم تكلم أبـوبكر فحمـد اللّٰه و أثنى عليه بما هو أهله.
.........”ثم قال:أما بعد أيها الناس فـإني قـد وليت عليكم ولست بخيركم،فإن أحسـنت فـأعينوني،وإن أسـأت فقومـوني الصـدق أمانـة،والكـذب خيانـة، والضـعيف منكم قـوي عنـدي حـتى أزيح علته إن شاء اللّٰه،والقوي فيكم ضعيف حتى آخذ منه الحـق إن شاء اللّٰه،لا يدع قـوم الجهـاد في سـبيل اللّٰه إلا ضربهم اللّٰه بالذل،ولا يشيع قوم قـط الفاحشـة إلا عمهم اللّٰه بالبلاء.
أطيعوني ما أطعت اللّٰه ورسوله،فإذا عصـيت اللّٰه ورسوله،فلا طاعة لي عليكم ، قومـوا إلى صـلاتكم يرحكم اللّٰه''.
وهذا إسناد صـحيح.فقـوله رضـى اللّٰه عنه:''وليتكم ولست بخيركم''.من باب الهضـم والتواضـح،فـإنهم مجموعـون على أنه أفضـلهم وخـيرهم رضـي اللّٰه عنهم''.
''محمـــد بن اســـحاق کہتے ہیں کہ مجھےزہری
اور زہری ؒ کو انس بن مالـک رضـی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب سقیفہ بنی سـاعدہ میں حضـرت ابـو بکــر رضــی اللہ عنہ کے ہاتھ پــر بیعتِ خلافت ہو گئی تو اگلے دن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پـر بیٹھے اور آپ سے پہلے حضـرت عمـر رضـی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کـر گفتگـو کی۔ اس کے بعـد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنـا کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز کیا،
.... '' پھر فرمایا:
''اے لوگـوں!مجھے تمہارا امـام مقـرر کیـا گیـا ہے حـــالانکہ میں تم میں ســـے بہترین آدمی نہیں ہوں،لہٰذا اگر میں اچھـا کـام کـروں تـو مـیری مـدد کرنا اور اگر میں غلط کام کروں تـو مجھے سـیدھا کردینا ۔ سچ بولنا امانت داری ہے اور جھوٹ بولنا

خیانت ہے۔تم میں سے کمزور آدمی میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت سے اس کی مشکل دور نہ کر لوں، اور تم میں سے طاقتور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اللہ کی مشیت سے کمزور کا حق اس سے وصول نہ کر لوں۔ اور (یاد رکھو کہ)جب کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعا لیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتے ہیں اور جب کسی قوم میں فحاشی پھیل جائے تو اللہ تعا لیٰ اس پوری قوم پر عذاب نازل فرمادیتے ہیں۔ میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر سے میری اطاعت بھی ساقط ہو جائے گی۔اب نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ، اللہ تم پر رحم فرمائے!‘‘

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ رہا آپ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ'' مجھے تمہارا امام مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین آدمی نہیں ہوں''، تو یہ آپ کا تواضع اور انکساری ہے، وگرنہ اس امر پر تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل اور سب سے بہتر تھے''۔[1]

[1] البداية والنهاية .فصل في ذكر أمور مهمة وقعت بعد وفاته صلى اللہ عليه وسلم قبل دفنه ومن أعظمها وأجلها وأيمنها بركة على الاسلام وأهله بيعة أبي بكر الصديق رضى اللہ عنه ٢٤٨/٥.مزيد ديكهئے :تاريخ الطبرى.ثم دخلت سنة إحدى عشر ة ٢٣٨/٢،المعجم الأوسط للطبراني،باب العين،من اسمه منتسر،حديث (٨٥٩٧)٢٦٧/٨، مجمع الزوائد.كتاب الخلافة،باب الخلفاء الأربعة ١٨٣/٥،كنز العمال.حرف الخاء،كتاب الخلافة مع الإمار ة حديث(١٤٠٥٠)،(١٤٠٦٤)، (١٤٠٧٣)،(١٤١١٢) ٥٨٩/٥ إلى ٦٣٣، تاريخ الخلفاء.أبوبكر الصديق، فصل مبايعته رضى اللہ عنه

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد اپنے اس پہلے اور عظیم الشان خطبے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ اسلامی مملکت کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں،ان ہی اصولوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

(الف)صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ نیکی کے کاموں میں آپ کی مدد کرے اور غلط کاموں میں آپ کے آڑے آکر آپ کو سیدھا کرے۔آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میں غلط کام کروں تو تم میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور تمہیں میرا محاسبہ کرنے، میرے خلاف مقدمہ کرنے یامجھے سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں، جب کہ دستورِ پاکستان میں یہی فاسد اصول درج ذیل ہے۔

(ب)پھر آپ نے نہایت تاکید کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ امت کا کمزور فرد آپ کی نظر میں قوی ہے یہاں تک کہ آپ اسے اس کا حق نہ دلا دیں اور امت کا قوی فرد آپ کی نگاہ میں کمزور ہے یہاں تک کہ آپ اس سے کمزور کا حق وصول نہ کر لیں۔پس آپ نے دستورِ پاکستان کی طرح لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم نہیں کیا کہ ایک طرف تو وہ عوام الناس ہیں جو عدالتوں میں گھسیٹے جانے اور محاسبے اور سزا کے مستحق ہیں،جبکہ دوسری طرف اعلیٰ مناصب پر براجمان وہ طبقہ ہے جو ہر قسم کے محاکمے اور سزا سے بالاتر ہے۔

(ج)پھر آپ نے اپنی اطاعت کے حکم کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اگر آپ اللہ کی نافرمانی کریں تو خالق کی معصیت میں امت آپ کی اطاعت نہ کرے۔ آپ کے اس مؤقف سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں اقتدارِ اعلیٰ صرف شریعت کو حاصل ہے نہ کہ اکثریت کو

۶۸،۶۷/۱

تمام احکام و قوانین تب ہی واجب الاتباع قرار پاتے ہیں جب وہ شریعت کے تابع اور اس سے موافق ہوں۔ حاکم کا حقِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی اسی شرط سے مقید اور اسی اصول پر مبنی ہے۔ اور امت پر حکمران کی اطاعت بھی تبھی واجب ہوتی ہے۔ جب وہ شریعت کی تابعداری پر قائم ہو۔یہاں بھی دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے درمیان خطرناک تضاد نظر آتا ہے، کیونکہ دستورِ پاکستان ارکانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو بغیر کوئی شرط یا قید عائد کئے اقتدارِ اعلیٰ کا مالک قرار دیتا ہے، جیسا کہ پچھلی بحث میں قدرے تفصیل سے بات گزر چکی ہے۔

(۲)حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا اسوہ

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابو فر اس سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ألا إني واللّہ ما أرسل عمّالي إليكم ليضربوا أبشاركم،ولا ليأخذوا أموالكم، ولكن أرسلهم إليكم ليعلّموكم دينكم وسنتكم،فمن فُعل بہ شيىء سوى ذلک،فليرفعہ إليّ،فوالذي نفسى بيدہ إذن لأقصّنہ منہ،فوثب عمرو ابن العاص فقال:يا اميرالمؤمنين،أو رأيت إن كان رجل من المسلمين على رعيّة فأدّب بعض رعيّتہ أئنک لمقتصّہ منہ؟ قال :اي والذي نفس بيدہ،إذَنہ لأقصّنہ منہ،وقد رأيت رسول اللّہ صلى اللّہ عليہ وسلم يقصُّ من نفسہ“.

''لوگو، سن لو!اللہ کی قسم!میں اپنے عامل تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے جسم پر کوڑے برسائیں یا تمہارے اموال ہڑپ کر جائیں۔ میں تو انہیں اس لیے تمہارے پاس بھیجتا ہوں کہ تمہیں تمہارے دین اور سنت کی تعلیم دیں، لہٰذا جس کے ساتھ بھی اس کے برعکس معاملہ ہو وہ اپنی شکایت مجھ تک پہنچائے۔اس

ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں ظلم کا نشانہ بننے والے کو ضرور بدلہ دلاؤں گا۔

یہ بات سنتے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے امیر المؤمنین!اگر مسلمانوں پر مقرر کردہ کوئی ذمہ دار اپنی رعایا کو ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے تب بھی آپ اس سے انتقام لیں گے؟

تو عمر رضی اللہ عنہ نے جوب دیا:

جی ہاں، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے!میں تب بھی ضرور اس سے بدلہ لوں گا، کیونکہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے دیکھا ہے‘‘۔[1]

شیخ شاکر احمد رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[2]

---

[1] مسند أحمد.مسند عمر بن الخطاب رضي اللّٰہ عنہ،حديث (۲۸۶) ۴۱/۱، سنن أبی داؤد.كتاب الديات، باب القود من الضربةوقص الأمير من نفسہ،حديث (۴۵۳۷)۱۸۳/۴.الأحاديث المختارة للضياء المقدسی حديث(۱۱۶) ۲۱۹/۱،المستدرک على الصحيحين للحاكم النيسابوری.كتاب الفتن والملاحم،حديث (۸۳۵۶)۴۸۵/۴، مصنف ابن أبی شيبة. مايوصی بہ الامام الولاة اذا بعثهم ،حديث (۳۲۹۲۱)۴۶۱/۶.السنن الكبرىٰ للبيهقی.باب ماجاء فی قتل الامام۴۸/۸ وباب الإمام لا يجمر بالغزی ۲۹/۹ وباب ما على الوالي من أمر الجيش ۴۲/۹، مسند أبي يعلى.مسند عمر بن خطاب رضی اللّٰہ عنہ،حديث (۱۹۶) ۱۷۵/۱،تاريخ الطبری.ثم دخلت سنة ثلاثة وعشرين، ذكر الخبر عن وفاة عمر،ذكر بعض سيرہ ۵۶۷/۲.

[2] الحرية أو الطوفان للدكتور حاكم المطيری ص :۸۳

دوسرا نکتہ: اقوالِ علماء سے اس فاسد اصول کا رد

(الف) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذکر اللہ ما فرض على أهل التوراة فقال عزوجل ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ إلى قوله ﴿فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ﴾، وروي في حديث عن عمر أنه قال: ''رأيت رسول الله ﷺ يعطي القود من نفسه، وأبابكر يعطي القود من نفسه، وأنا أعطي القود من نفسی''.

''اہلِ تورات پر فرض کردہ قصاص کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ ہے۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو اس کے لئے کفارہ ہے۔﴾''

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی ذات کو بھی بدلے کے لیے پیش کیا کرتے تھے، اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش

کرتے تھے، اور میں بھی اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتا ہوں''۔[1]

پھر امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ولم أعلم مخالفاً في أن القصاص في هذہ الأمة كما حكم اللہ عزوجل أنہ حكم بہ بين أهل التوراة.ولم أعلم مخالفاً في أن القصاص بين الحرين المسلمين في النفس وما دونها من الجراح، التي يستطاع فيها القصاص بلا تلف يخاف على المستقاد منہ من موضع القود''.

''مجھے نہیں معلوم کہ کسی اہلِ علم نے اس بات سے اختلاف کیا ہو کہ اس امت میں بھی قصاص کا حکم ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل تورات پر نازل فرمایا تھا۔اور میرے علم کے مطابق اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ دو آزاد مسلمانوں کے درمیان جان کا قصاص بھی ہو تا ہے اور جان سے کمتر ایسے زخموں کا قصاص بھی جن کا قصاص لینے سے اُس شخص کی جان تلف ہو نے کا اندیشہ نہ ہو جس سے قصاص لیا جارہا ہے''۔[2]

(ب)امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وأجمع العلماء على أن على السلطان أن يقتص من نفسہ إن تعدى على أحد من رعيتہ.إذ هو واحد منهم.وإنما لہ مزية النظر لهم كالوصي والوكيل. وذلک لا يمنع القصاص.وليس بينهم و بين العامة فرق في أحكام اللہ عزوجل،لقولہ جل ذكرہ:

[1] معرفةالسنن والآثار للبيهقي.كتاب الجراح،القصاص فيما دون النفس ١٩٣،١٩٢/١٣،مصنف عبدالرزاق.باب قود النبي صلى اللہ عليہ وسلم من نفسہ ٤٦٨/٩،الطبقات الكبرىٰ لابن سعد.ذكر إعطائہ القود من نفسہ صلى اللہ عليہ وسلم ٣٧٤/١

[2] الأم.جماع القصاص فيما دون النفس ٥٠/٢

﴿كُتِبَ عَلَيكُمُ القِصَاصُ فِي القَتلَى﴾ وثبت عن أبي بكر الصديق رضى اللہ عنہ أنہ قال لرجل شكا إليہ أن عاملاً قطع يدہ: لئن كنت صادقاً لأقيدک منہ. وروى النسائي عن أبي سعيد الخدري قال: بينا رسول اللہ صلى اللہ عليہ وسلم يقسم شيئاً إذا أكب عليہ رجل، فطعنہ رسول اللہ صلى اللہ عليہ وسلم بعرجون كان معہ، فصاح الرجل، فقال لہ رسول اللہ صلى اللہ عليہ وسلم: ''تعال فاستقد''. قال: بل عفوت يا رسول اللہ. وروى أبوداؤد عن أبي فراس قال: خطب عمر بن الخطاب رضى اللہ عنہ فقال: يا أمير المؤمنين لئن أدب رجل منا رجلا من أهل رعيتہ لتقصنہ منہ؟ قال كيف لا أقصہ منہ؟ وقد رأيت رسول اللہ صلى اللہ عليہ وسلم يقص من نفسہ. ولفظ أبي داؤد السجستاني عنہ قال: خطبنا عمر بن الخطاب فقال: إني لم أبعث عمالي ليضربوا أبشاركم، ولا ليأخذوا أموالكم، فمن فعل ذلک بہ، فليرفعہ إلي أقصہ منہ''.

''اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا میں سے کسی پر زیادتی کرے تو اُسے بھی قصاص دینا ہو گا، کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح کا ایک فرد ہے۔ البتہ حاکم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے وصی اور وکیل کی طرح لوگوں کے امور پر نگاہ رکھنے اور ان کی نگرانی کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن یہ حق حاکم سے قصاص لینے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ اللہ کے احکامات کے سامنے حکام اور عوام سب یکساں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:

﴿اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے﴾

اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر شکایت کی کہ ان کے مقرر کردہ عامل نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تو آپؓ نے فرمایا:

"اگر تم سچے ہو تو میں تمہیں ضرور بدلہ دلواؤں گا"۔

اسی طرح امام نسائیؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تقسیم فرمارہے تھے کہ ایک شخص آپ پر اوندھا آپڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود لاٹھی اسے چبھوئی۔ اس پر وہ شخص چیخ اٹھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا:

"آگے آؤ اور بدلہ لے لو"۔

اُس نے کہا:"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!بلکہ میں نے معاف کیا"۔

نیز ابو داؤد الطیالسیؒ نے ابو فراسؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"سن لو!جس شخص پر بھی اس کا امیر ظلم کرے تو وہ اپنی شکایت میرے پاس لائے، میں اُسے بدلہ دلاؤں گا"۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

"اے امیر المومنین!اگر ہم(امراء)میں سے کوئی شخص اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھانے کے لیے مارے تب بھی آپ اُس سے بدلہ لیں گے؟"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں بدلہ کیوں نہ دلواؤں جب کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کرتے دیکھا ہے"

ابــو داؤد سجســتانی اســی روایت کــو ان الفــاظ میں نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضــی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:
''بے شـک میں اپـنے عامـل تمہارے پـاس اس لـئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہاری جلد پر کوڑے برسـائیں یـا تمہارے امـوال ہڑپ کـر جـائیں۔ لہٰـذا جس کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کیا جـائے وہ اپـنی شـکایت مجھ تـک پہنچـائے، میں اسـے ضـرور بــدلہ دلاؤں گا''۔[1]

(ج)امام ابــو بکــر الجصــاص الحنفي رحمہ اللہ کــا قول
''فأجرى النبي صلى اللّٰہ علیہ وسلم فــرض الأمــر بـــالمعروف والنهي عن المنكـــر مجـــرى ســـائر الفروض في لزوم القيام بہ مع التقصــير في بعض الواجبات.
ولم يــدفع أحــد من علمــاء الأمــة وفقائهــا سـلفهم وخلفهم وجوب ذلـک إلا قــومٌ من الحشو و وجُهـال أصحاب الحديث،فــإنهم أنكــروا قتـال الفئــة الباغيــة والأمـــــر بــــــالمعروف والنهي عن المنكـــــر بالسلاح،وسموا الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فتنة إذا اُحتيج فیہ إلى حمــل السـلاح وقتـال الفئــة الباغية،مع ما قد سمعوا فیہ من قول اللّٰہ تعــالى: ﴿ فَقَــاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلى أَمْرِ اللّٰہِ﴾ومـــا يقتضيہ اللفظ من وجوب قتالها بالسيف وغيرہ.
<u>وزعموا مع ذلـک أن السـلطان لا ينكـر علیہ الظلم والجور قتل النفس التي حرّم اللّٰہ</u>،و إنما ينكر على غير السلطان بالقول أو باليــد بغـير سـلاح،فصـاروا شــرًّا على الأمــة من أعــدائها المخــالفين لهــا؛لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئــة الباغيــة وعن الإنكــار على السلطان الظلم الجور.

[1] تفسیر القرطبي. تفسیر قولہ تعالٰی :﴿ولکم فی القصاص حیاۃ یا أولی الالباب لعلکم تتقون﴾البقرۃ آیۃ (۱۷۹) ۲۵۶/۲

حتی أدّی ذلک إلی تغلب الفجار بل المجوس،وأعداء الإسلام حتی ذهبت الثغور،وشاع الظلم ،وخربت البلاد،وذهب الدین والدنیا،وظهرت الزندقة والغلوّ ومذاهب الثنویة والخُرَّمِیَّة والمَزدَکِیَّة،والذي جلب ذلک کلہ علیهم ترک الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر والإنکار علی السلطان الجائر،واللہ المستعان''.

''نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو بھی باقی فرائض کی مانند قرار دیا ہے، یعنی(جس طرح کسی دوسرے فرض کو یہ کہہ کر چھوڑنا جائز نہیں کہ چونکہ مجھ سے فلاں فلاں واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے،اس لیے میں یہ فرض بھی نہیں ادا کروں گا، بالکل اسی طرح)کچھ واجبات کی ادائیگی میں کمزوری کے سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا بھی جائز نہیں۔

خلف و سلف کے علماء اور فقہاء میں سے کسی ایک نے بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی فرضیت سے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ گروہِ حشویہ کے بعض لوگوں نے اور بعض جاہل اصحابِ حدیث نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کو غلط کہا ہے۔ان لوگوں کے نزدیک اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ اس کی بابت یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک بھی سن چکے ہیں:''پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ

آئے۔ یہ آیت صراحت کے ساتھ تلوار اور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قرار دے رہی ہے۔
اسی طرح ان کا مؤقف ہے کہ حاکم اگر ظلم و جبر کرے اور لو گوں کا ناحق قتل کرے، تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں۔ البتہ حاکم کے سوا دیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائے، لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانے کے قائل نہیں۔
پس یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق و فجار غالب آئے، مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں،ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں،دین و دنیا لٹ گئے اور زندقہ، غلو، مذاہبِ ثنویہ،خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امربالمعروف، نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے، واللہ المستعان''۔[1]

یہاں امام جصاص رحمہ اللہ نے نہایت زور دے کر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ نیکی کاحکم دینا اور برائی سے روکنا واجب ہے خواہ اس کا مخاطب امت کا حاکم ہو یا کوئی عام مسلمان۔ پھر اس کے بعد پاکستانی دستور کو کیسے اسلامی دستور کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ دستور صدراور بعض دیگر اعلیٰ سطحی عہدیداران کو ہر قسم کی پوچھ گچھ اور روک ٹوک سے بالاتر قرار دیتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو قدرے چھوٹی بات ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو ظالم

[1] أحكام القرآن للجصاص.سورة آلِ عمران،باب فرض الامر بالمعروف والنهي عن المنكر ۴۶۸،۴۶۷/۳

حکمرانوں کے خلاف مسلح خروج کے معاملے میں بھی اپنے سخت مؤقف کے سبب معروف ہیں۔اگر خروج کا مسئلہ یہاں خارج از بحث نہ ہوتا تو میں ضرور، اللہ کی توفیق سے، اس بارے میں تفصیلی بات کرتا۔

(د)ابن حزم رحمہ اللہ کا قول

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الإمام الواجب طاعته ما قادنا بكتاب اللّٰه تعالى وبسنة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ،الذي أمر الكتاب بأتباعها،فان زاغ عن شيء منهما من ذلک،أو أقيم عليه الحد والحق''.

''امام کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت.........جس کی اتباع کاحکم خود کتابُ اللہ نے دیا ہے.........کے مطابق ہماری قیادت کرے۔اگر وہ ان دونوں کے کسی بھی حکم سے روگردانی کرتا ہے تو اسے روکا جائے گا، یا اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس سے حق وصول کیا جائے گا'' ۔[1]

ایک اور مقام پر آپ فرماتےہیں:

والواجب إن وقع شيء من الجور وإن قل أن يكلم الإمام في ذلک ويمنع منه، فإن امتنع و راجع الحق وأذعن للقود من البشرة أو من الأعضاء ولإقامة حد الزنا والقذف والخمر عليه فلا سبيل إلى خلعه وهو إمام كما كان،لا يحل خلعه،فإن امتنع من إنفاذ من شيء من هذه الواجبات عليه ولم يراجع وجب خلعه،وإقامة غيره ممن يقوم بالحق لقوله تعالى: ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الاِثمِ وَ العُدوَانِ﴾،ولا يجوز تضييح شيء من واجبات الشرائع''.

[1] الفصل في الملل والأهواء والنحل.الكلام في الأمامة والمفاصلة ۴۶۲/۱

''اگر حاکم سے کچھ ظلم واقع ہوجائے،اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو،تو حاکم سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنا اور اسے منع کرنا واجب ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائے اور حق کی طرف رجوع کر لے اور اپنی جلد یا اپنی اعضاء کو بدلے کے لیے پیش کردے؛ اور زنا، بہتان یا شراب نوشی کی صورت میں خود کو حد نافذ کئے جانے کے لیے پیش کردے.........تو اسے خلافت کے منصب سے ہٹانا جائز نہیں اور وہ اسی طرح بطور امام باقی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا۔البتہ اگر وہ اپنے آپ کو ان واجبات کے نفاذ کے لئے پیش کرنے سے انکار کردے اور حق کی طرف رجوع نہ کرے، تو اسے اس کے منصب سے ہٹانا اور کسی حق پرست حکمران کا اس کی جگہ لانا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعا لیٰ کا فرمان ہے:۔اور نیکی و تقویٰ کے کاموں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ وسرکشی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون مت کرو۔اور شریعت کے واجب کردہ امور میں سے کسی ایک حکم کو بھی ضائع کرنا جائز نہیں(لہٰذا جب کوئی حاکم شرعی واجبات کی ادائیگی پر تیار نہ ہو تو اس گناہ میں اس سے تعاون کرنا اور اسے بطور حاکم برقرار رکھنا درست نہیں)''۔[1]

اسی طرح حدیث ''اقيلوا ذوي الهيئات عثراتهم''(یعنی معزز لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرو)پر بحث کرتے ہوئے امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وليس فيه إسقاط حد ولا قصاص.وقد قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:''المؤمنون تتكافؤ دماؤهم''.وقال تعالىٰ اِنَّمَا المُومِنُونَ اِخوَةٌ۔ فإذا كانوا إخوة نظراء في الحكم كله.وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:''إنما هم كذلک بنو

[1] الفصل في الملل والأهواء والنحل . الامر بالمعروف والنهی عن المنكر ١٦/٢

إسرائيل،كانوا إذا سرق فيهم الشـريف تركـوه،وإذا سـرق فيهم الضـعيف أقـاموا عليه الحد.والـذي نفسي بيده لو سرقت فاطمة بنت محمـد لقطعت يدها'' أو كما قال عليه الصلاة والسلام مما ذكرناه بإسناده فيما خلا ''.

''اس حـدیث سـے یہ مـراد لینـا درسـت نہیں کہ صاحبِ حیثیت لوگوں پر سے حـد اور قصـاص بھی سـاقط ہیں، کیـونکہ رسـول اللہ صـلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

’’مومنین کے خون برابر ہیں''۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں﴾

پس جب وہ بھائی بھائی ہیں تو تمام احکامات میں بھی برابر ہیں۔اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل بھی اسی طرح تھے، کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کردیتے۔اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے!اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں''۔ (أو كما قال عليه الصلاة والسلام)یہ حدیث ہم سند سمیت پہلے ذکر کرچکے ہیں''۔[1]

(۲)امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ یہود ونصاریٰ کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وذلک يقتضي أن مجانبة هديهم مطلقاً أبعد عن الوقوع فيما به هلكوا، وأن المشارك لهم في بعض هديهم يخاف عليه أن يكون هالكاً.ومن ذلک أنه

[1] المحلى.مسألة رقم (٢٠٩٩)،اقالة ذي الهيئة عثرته ٥٢٤/١٠

صلی اللّٰہ علیہ وسلم حذرنا عن مشابهة من قبلنا في أنهم كـانوا يفرقـون في الحـدود بين الأشـراف والضـــعفاء،وأمـــر أن يســـوي بين النـــاس في ذلك،وأن كثيراً من ذوي الرأي والسياسـة قـد يظن أن إعفاء الرؤساء أجود في السياسة''.

''گویا یہود ونصاریٰ کے طور طریقوں سـے مکمـل اجتناب ہی ان خصلتوں سے بچـنے کـا واحـد ذریعہ ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنی تھیں،اور جس کسـی نے چنـد امـور میں بھی یہود ونصـاریٰ کی پیروی کی اس کے ہلاکت میں جاپڑنے کـا اندیشـہ ہے۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسـلم نے ہمیں پچھلے لوگوں کی اس خصلت سے بچـنے کی تلقین کی ہے کہ وہ حدود کے معاملے میں معزز و با اثـر لوگوں اور ضـعیف و درمانـدہ لوگـوں کے درمیـان تفریق کیا کـرتے تھے۔ چنـانچہ آپ صـلی اللہ علیہ وســلم نے ہمیں حکم دیــا ہے کہ ہم حــدود کے معاملے میں سب کے درمیان مساوات کریں۔لیکن اس کے برعکس بہت سـے صـاحبِ رائے اور مـاہرِ سیاسـت حضـرات کے نزدیـک قـوم کے بـڑوں کـو معاف کردینا ہی سیاسـی اعتبـار سـے زیـادہ بہتر ہوتا ہے (جـو رسـول اللہ صـلی اللہ علیہ وسـلم کے حکم سے صریح متصادم ہے)''۔

پھر آپ؀ حضرت عائشہ رضـی اللہ عنہا سے مـروی مخزومی عورت والی حـدیث ذکـر کـرنے کے بعـد فرمـاتے ہیں:

''وكـــان بنـــو مخـــزوم من أشـــرف بطـــون قريش ،واشتد عليهم أن تقطع يد امرأة منهم،فبين النـــبي صـــلى اللّٰہ عليہ وســـلم أن هلاك بـــني إسـرائيل إنمـا كـان في تخصـيص رؤسـاء النـاس بالعفو عن العقوبات،وأخبر أن فاطمـة ابنتہ الـتي هي أشرف النساء،لو سرقت،وقد أعاذها اللّٰہ من ذلك لقطع يدها، ليبين أن وجوب العدل والتعميم

في الحدود لا يستثنى منہ بنت الرسول فضلا عن بنت غيرہ،وهذا يوافق ما فى الصحيحين عن عبداللہ بن مرة عن البراء بن عازب رضى اللہ عنہ قال مر على النبي صلى اللہ عليہ وسلم بيهودى محمم مجلود فدعاهم ، فقال:''أهكذا تجدون حد الزاني''.........الحديث“.

''بنو مخزوم قریش کی معزز ترین شاخ تھے۔ ان پر یہ بات انتہائی گراں گزری کہ ان میں سے کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جائے،لیکن نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر واضح کردیا کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کا باعث بھی یہی بات تھی کہ وہ قوم کے بڑوں سے خصوصی رعایت کرتے ہوئے ان کی سزائیں معاف کردیا کرتے تھے۔نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اگر آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا.........جو تمام عالم کی عورتوں سے زیادہ معزز ہیں.........اگر وہ بھی چوری کی مرتکب ہوتیں، اگر چہ اللہ نے آپ کو ایسے افعال سے بری کر رکھا تھا، تو آپ ان کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتے پس یہ فرما کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم واضح کردیا کہ حدوداللہ کے نفاذ اور عدل و انصاف کے وجوب میں سب لوگ برابر ہیں۔ کسی اور کی اولاد تو درکنار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں یہ بات صحیحین میں نقل کردہ اس حدیث سے بھی موافق ہے کہ جس میں عبداللہ بن مرہ؛ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی کو لے جایا گیا جسے منہ کالا کر کے کوڑے مارے جارہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ان سے استفسار فرمایا:کیا تم تورات میں زانی کی یہی حد پاتے ہو؟......... الخ''۔[1]

اسی طرح ایک اور مقام پر امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

''ثم السلطان یؤاخذ علی ما یفعلہ من العدوان ویفرِّط فیہ من الحقوق مع التمکُّن''.

''جب حاکم حقوق میں کوتاہی اور زیادتی کا مرتکب ہو،تو اگر قدرت ہو تو اس کا بھی مؤاخذہ کیا جائے گا''۔[2]

اسی طرح آپ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کسی معزز آدمی کو گالی دے اور اسے مارے ،تو آپ نے فرمایا:

''وتجب عقوبة المعتدين أيضاً وإن كان شريفاً،فقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى اللّٰہ علیہ وسلم أنہ قال:''إنما هلک من كان قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوہ وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليہ الحد.والذي نفس محمد بيدہ لو سرقت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها''.وما يشرع فيہ القصاصص فی الدماء والأموال وغيرها لا فرق بين الشريف وغيرہ.قال النبي صلى اللّٰہ عليہ وسلم"المسلمون تتكافأ دماؤهم ويسعى بذمتهم أدناهم''الحديث،واللّٰہ اعلم''.

''زیادتی کرنے والوں کو سزا دینا واجب ہے اگر چہ وہ معزز ہی کیوں نہ ہوں صحیحین میں منقول ہے کہ نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اقتضاء لصراط المستقيم ،فصل في ذكر الأدلة من الكتاب والاجماع على الأمر بمخالفة الكفار والنهي عن التشبہ بهم ١٠٧،١٠٦/١

[2] مجموع فتاویٰ ابن تيمية.فصل جامع في تعارض الحسنات والسيئات ٢٤١/٤

’’پچھلی امتوں کی ہلاکت کا باعث یہ بات تھی کہ اگران میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کی جان ہے!اگر فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)بھی چوری کریں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں''۔

پس جان اور مال کے جن معاملات میں قصاص مشروع ہے ان میں معزز و غیر معزز کا کوئی فرق نہیں۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا ادنیٰ ترین فرد بھی ان کی طرف سے کسی کو پناہ دے سکتا ہے......... الخ''۔[1]

----

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۲۸/۹

تیسرا نکتہ:اسلامی تاریخ سے ایسی مثالیں جہاں سلاطین نے شرعی فیصلوں کے سامنے ہتھیار ڈالے،حتی کہ ان ادوار میں بھی جو خلافتِ راشدہ کے سنہری دور سے بہت دور تھے اور جب فساد بھی عام ہوچکا تھا

(الف)سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان کی مثال

سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان اپنے زمانے کی عظیم ترین سلطنت کے بادشاہ تھے اور اپنے عدل وانصاف کے سبب معروف تھے امام ابنِ کثیرؒ نے آپ کی سوانح عمری میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ:

''واستعداہ رجلان من الفلاحين على الامير خمار تكين؛أنه أخذ منهما مالا جزيلاً وكسر ثنيتهما،وقالا:سمعنا بعدلک في العالم،فان أقدتنا منه كما أمرک اللہ وإلا استعدينا عليک اللہ يوم القيامة،وأخذ بركابه، فنزل عن فرسه، وقال لهما:خذ بكمي واسحباني إلى دار نظام الملک،فهابا ذلک،فعزم عليهما أن يفعلا أمرهما به،فلما بلغ النظام مجئ السلطان إليه خرج مسرعاً، فقال له الملک:إني إنما قلدتک الأمر لتنصف المظلوم ممن ظلمه،فكتب من فوره فعزل خمار تكين وحل أقطاعه،و أن يرد إليهما أموالها،و أن يقلعا ثنيته إن قامت عليه البينة،وأمر لهما الملک من عنده بمائة دينار''.

''”ایک مرتبہ دوکسانوں نے آپ سے 'خمارتکین'نامی امیر کے خلاف شکایت کی کہ اس نے ان کا بہت سا مال چھین لیا ہے اور ان دونوں کے سامنے والے دو دو دانت توڑ ڈالے ہیں

ان کسانوں نے سلطان سے کہا کہ ہم نے پوری دنیا میں آپ کے عدل کا چرچا سُنا ہے۔ پس اگر تو آپ نے ہمیں اللہ کے حکم کے مطابق بدلہ دلوادیا تو ٹھیک ،ورنہ قیامت کے ہم اللہ کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کریں گے۔ پھر انہوں نے بادشاہ کے گھوڑے کی رکاب تھام لی ۔بادشاہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور ان سے کہا:میری آستین پکڑلو اور مجھے گھسیٹتے ہوئے وزیر کے گھر لے چلو ۔یہ بات سن کر دونوں گھبراگئے،لیکن جب بادشاہ نے انہیں قسم دے کر کہا تو انہوں نے ایسا ہی کیا ۔جب وزیر کو بادشاہ کے اس طرح آنے کی خبر ملی تو وہ فوراً باہر نکل آیا۔بادشاہ نے اس سے کہا:میں نے تمہیں اس لیے اس منصب پر بٹھایا تھا کہ تم مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاؤ!یہ سن کروزیر نے فوری طورپر خمارتکین کی معزولی اور اس کی جاگیر کی ضبطی کا پروانہ جاری کیا۔نیز یہ حکم بھی دیا کہ ان کسانوں کا مال واپس لوٹایا جائے اور ثبوت ملنے کی صورت میں یہ دونوں کسان خمار تکین کے سامنے والے اوپر اور نیچے کے دو دو دانت توڑ ڈالیں۔پھر بادشاہ نے بھی ان دونوں کو سو سو دینار دئیے جانے کا حکم جاری کیا''۔[1]

(ب)سلطانِ عادل نورالدین بن زنگی شہید رحمہ اللہ کی مثال

سلطانِ عادل نورالدین بن زنگی شہید رحمہ اللہ کے حوالے سے ابوشامہ المقدسی ہ، ابن اثیرکا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''وکان عارفاً بالفقہ على مذهب الإمام أبی حنيفة،رضي اللّٰہ عنہ، ليس عندہ تعصب،بل

[1] البداية والنهاية.ثم دخلت سنة خمس وثمانين و أربعمائة،وممن توفي من الأعيان،السلطان ملک شاہ جلال الدين والدولة ١٧٦/٢

الإنصـاف سـجيته في كـل شئ.وسـمع الحـديث وأسمعه طلباً للأجر . وعلى الحقيقة فهو الذي جدد للملـوک اتبـاع سنة العـدل والإنصـاف،وتـرک المحرمات من المأكـل والمشـرب والملبس وغـير ذلک؛فإنهم كـانوا قبله كالجاهليـة:هم أحـدهم بطنه وفرجه،لا يعرف معروفاً ولا ينكـر منكـراً،حـتى جـاء اللّٰه بدولته،فوقف مع أوامر الشرع ونواهيه،وألـزم بذلک أتباعه و ذويه، فاقتدى به منهم ،اسـتحيوا أن يظهر عنهم ما كانوا يفعلونه.

.........ومن عـدله أنه كـان يعظم الشـريعة المطهرة ويقف عند أحكامها ويقول نحن شحن لها نُمضي أوامرها.فمن اتباعه أحكامهـا أنه كـان يلعب بدمشق بالكرة،فـرأى إنسـانا يحـدث آخـر ويـومئ بيده إليه،فأرسل إليه يسأله عن حـاله. فقـال:لي مـع الملـک العـادل حكومـة،وهـذا غلام القاضـي ليحضره إلى مجلس الحكم ،يحـاكمني على الملـک الفلاني.فعـاد إليه،ولم يتجاسـر أن يعـرفه مـا قـال ذلـک الرجـل،وعـاد يكتمه،فلم يقبـل منه غـير الحـق،فـذكر له قـوله.فـألقى الجـو كـان من يـده،وخـرج من الميـدان،وسـار إلى القاضـي،وهـو حينئـذ كمـال الـدين ابن الشـهرزورى،وأرسـل إلى القاضي يقـول له إنـني قـد جئت محاكمـاً، فاسـلک معى مثل مـا تسـلکه مـع غـيرى.فلام حضـر سـاوى خسمه،وخاصمه وحاكمه،فلم يثبت عليه حق؛وثبت الملک لنور الدين.فقال نـور الـدين حينئـذ للقاضـي ولمن حضــر:هــل ثَبت له عنــدي حــق؟قــالوا لا.فقال:اشهدوا أننى قد وهبت له هذا الملک،الـدي قد حاكنمي عليه، وَهُوَ لَهُ دُوني؛وقـد كنت أعلم أن لا حـق له عنـدي،وإنمـا حضـرت معه لئلا يظن بي أني ظلمته،فحيث ظهر أن الحق لي وهبته له.قـال ابن الأثـير:وهـذا غايـة العـدل والإف،بـل غايـة الإحسان،وهي درجة وراء العـدل.فـرحم اللّٰه هـزه

النفس الزكية الطاهرة، المنقادة للحق،والوقفة معہ.
قلت:وهذا مستكثر من ملک متأخر بعد فساد الأزمنة وتفرق الكلمة؛وإلا فقد انقاد إلى المضي إلى المجلس الحكم جماعة من المقتدمين مثل عمر وعلي ومعاوية رضی اللہ عنهم،ثم حكى نحو ذلک عن أبي جعفر المنصور.وقد نقلنا ذلک کلہ في التاريخ الكبير،وفيہ عن عبداللہ بن طاهر قريب من هذا،لکنہ أحضر الحاكم عندہ ولم يمض إليہ.وقد بلغني أن نور الدين رحمہ اللہ تعالى استُدعى مرة أخرى بحلب إلى مجلس الحكم بنفسہ أو نائبہ؛ فدخل حاجبہ عليہ متعجبا،وأعلمہ أن رسول الحاكم بالباب،فأنكر عليہ تعجبہ وقامہ رحمہ اللہ ہمسرعاً،ووجد في أثناء طريقہ ما منعہ من العبور من حفر جب بعض الحشوش واستخراج ما فيہ؛ فوكل من ثم وكيلاً، وأشهد عليہ شاهدين بالتوكيل ورجع".
''آپ مذہب امام ابوحنیفہؒ کی فقہی آراء کا بھی گہرا علم رکھتے تھے۔آپ کے یہاں تعصب نام کی کوئی چیز نہ تھی ، بلکہ ہر معاملہ میں عدل وانصاف ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا،آپ نے اجر وثواب کی خاطر حدیث کا علم بھی سیکھا اور سکھایا۔درحقیقت آپ ہی نے بادشاہوں میں عدل وانصاف کی سنت تازہ کی اور کھانے ،پینے اور لباس وغیرہ میں حرام امور ترک کرنے کا طریقہ زندہ کیا ۔آپ سے پچھلے حکمرانوں میں جاہلیت کے طو روطریق رائج ہوچکے تھے اوران کی تمام تر توجہ کا مرکزبس ان کا پیٹ اور شرم گاہ تھا۔وہ نہ تو بھلائی کو بھلائی سمجھتے تھے ،نہ ہی برائی کو برائی ،یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نورالدین زنگی رحمہ اللہ کو برسر اقتدار لائے اور انہوں نے شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی کی اور

اپنے متبعین اور اہل خانہ کو بھی اس کا پابند بنایا۔پس یہ دیکھ کر دیگر لوگ بھی آپ کی پیروی کرنے لگے اور اپنے سابقہ اعمال جاری رکھنے سے شرمانے لگے۔

.........آپ کے عدل وانصاف پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ شریعتِ مطہرہ کی تعظیم کرتے تھے،اس کے احکام کے سامنے توقف اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ :ہم تو شریعت کی نگہبان فوج ہیں ،ہمارا تو کام ہی شرعی احکامات کو جاری کرنا ہے۔

آپ کی اتباع شریعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ دمشق میں گیند کھیل رہے تھے کہ آپ نے دیکھا ؛ایک شخص ایک دوسرے فرد سے بات چیت کررہا ہے اور اپنے ہاتھ سے آپ کی طرف اشارہ کررہا ہے۔یہ دیکھ کر آپ نے اس شخص کا معاملہ دریافت کرنے کے لیے ایک کارندہ اس کی طرف بھیجا ۔اس شخص نے آپ کے کارندے سے کہا کہ :اس عادل بادشاہ کے خلاف میرا ایک مقدمہ ہے ،اور میرے ساتھ موجود یہ دوسرا شخص قاضی کا لڑکا ہے،اسے چاہئے کہ سلطان کو عدالت میں طلب کرے تاکہ اس کے خلاف میرا مقدمہ چلایا جاسکے ۔سلطان کا کارندہ جب واپس لوٹا تو اسے یہ جسارت نہ ہوئی کہ اس شخص کی بات سلطان کو بتلائے اور وہ بات چھپانے لگا،لیکن سلطان نے زور دے کر کہا کہ مجھے سچ سچ بتادو تو اس نے پوری بات بتلادی۔ اس کی بات کو سلطان نے فوراً لاٹھی اپنے ہاتھ سے پھینکی اور میدان سے نکل کر قاضی کے پاس پہنچ گئے جو کہ اس کمال الدین شہزوری تھے ۔ آپ نے اس سے کہا کہ:میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ میرے خلاف مقدمہ ہے لہٰذا میرے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرنا جو تم دوسروں

کے ساتھ روا رکھتے ہو۔چنانچہ جب مقدمہ پیش ہواتو قاضی نے انہیں مخالف فریق کے ساتھ ہی کھڑا کیا ۔پھر ان سے پوری پوچھ گچھ اور معاملہ کی جانچ پڑتال کی گئی ،لیکن سلطان کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہوسکی اور زیرِ بحث چیز کی ملکیت سلطان ہی کے لیے ثابت ہوئی۔اس موقع پر نورالدین ؒ نے قاضی اور تمام حاضرین سے مخاطب ہوکر پوچھا:کیا اس شخص کا مجھ پر کوئی حق ثابت ہوا ہے؟انہوں نے کہا:نہیں۔توبادشاہ نے کہا:تم سب گواہ رہنا کہ جس چیز کی خاطر اس شخص نے میرے خلاف مقدمہ کیا تھا،میں نے اس کی ملکیت اسے بخش دی،اب یہ میری نہیں بلکہ اس کی ملکیت ہے۔مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ میں نے اس کا حق غصب نہیں کیا لیکن اس کے باوجود میں یہاں حاضر ہوا تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔چنانچہ اب جبکہ یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ میں حق پرہوں ،میں یہ چیز اسے ہی بخشتا ہوں“۔

ابن اثیرؒفرماتےہیں:

”یہ تو عدل وانصاف کی انتہاء ہے ، بلکہ احسان کی انتہاء ہے جو کہ عدل سے بھی اونچا درجہ ہے!اللہ اس پاکیزہ نفس پر رحم فرمائے جو حق کے سامنے جھکنے اورحق پر ٹھہر جانے والے والاتھا۔میں کہتا ہوں کہ فسادِ زمانہ اور تفریقِ وحدت کے بعد آنے والے ایک بادشاہ سے ایسا عدل وانصاف ظاہر ہونا بہت بڑی بات ہے ،ورنہ خود عدالت تک چل کر جانا اور اس کے فیصلوں کو قبول کرنا تو بس سلف میں حضرت عمرؓ،حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدرخلفاء کی شان تھی،اور بعد کے ادوار میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے بارے میں ایسی

روایات ملتی ہیں۔ہم نے ''التاریخ الکبیر''میں یہ تمام روایات نقل کردی ہیں۔ان میں عبداللہ بن طاہر کے متعلق بھی اسی قسم کی حکایت موجود ہے ،لیکن فرق یہ ہے کہ اس نے قاضی کو اپنے پاس بلایا تھا،خود قاضی کی عدالت میں نہیں گیاتھا۔اسی طرح مجھے نورالدین زنگیؒ کے متعلق یہ روایت بھی ملی ہے کہ ایک مرتبہ انہیں حلب کی عدالت میں طلب کیا گیا کہ وہ خود آئیں یا اپنے نائب کو وہاں بھیجیں ۔آپ کا دربان یہ پیغام لے کر انتہائی تعجب کے ساتھ اندر داخل ہوا اور آپ کو بتایا کہ قاضی کا قاصد دروازے پر کھڑا ہے۔نورالدین رحمہ اللہ نے دربان کو اس اظہارِ تعجب پر ٹوکا اور فوراً روانگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ۔البتہ راستے میں کچھ کھدائی کاکام جاری تھا جس کی بناء پر آپ آگے نہ جاسکے لیکن وہیں پر آپ نے دوگواہوں کی موجودگی میں اپنا وکیل مقرر کیا (تاکہ وہ عدالت میں آپ کی جگہ حاضری دے)اور خود واپس پلٹ آئے“۔[1]

آپ ہی کے متعلق ابنِ اثیرؒ فرماتے ہیں:

''وبني دارالعدل في بلاده،وكان يجلس هو والقاضي بها ينصف المظلوم،ولو أنه يهودي، من الظالم،ولو أنه ولده أم أكبر أمير عنده''.

''انہوں نے اپنی مملکت میں دارالعدل بنوایا تھا جس میں وہ خود بھی قاضی کے ہمراہ بیٹھتے تھے۔پھر مظلوم کو ،اگرچہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو ،انصاف مہیاکرتے اور ظالم سے اس کا حق دلواتے اگرچہ وہ ظالم ان کا سگا بیٹا یا کوئی بڑے سے بڑا میر ہی کیوں نہ ہو''۔[2]

1 الروضتين في أخبار الدولتين النورية والصلاحية ٨/١،اسی طرح رجوع کیجئے،الكامل لابن الأثير.ثم دخلت سنة تسع وخمسمائة،ذكر وفاة نور الدين محمود بن زنكي ١٢٥/٥

(ب)دوسرا مبحث

دستورِ پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں

دفعہ ۴۸

دستور پاکستان کی دفعہ ۴۸یہ کہتی ہے کہ اپنے فرائض اور دیگر امور کی انجام دہی میں صدرِ پاکستان کو کابینہ یا وزیرِ اعظم کے مشورے کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

پھر اسی دفعہ کی دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ پہلی شق میں بیان کردہ اصول کے باوجود جن امور میں صدر کو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہاں وہ اپنی صوابدید پر عمل کرے گا ؛اور جو کام صدر نے اپنی صوابدید پرکئے ہوں ان پہ کسی بھی وجہ سے ،خواہ کچھ بھی ہو ، اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

پھر اسی دفعہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت ،ٹریبونل یا ہیئتِ مجازیہ (یعنی کوئی اور مجاز ادارہ)تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ،وزیرِ اعظم ،کسی وزیر یا وزیرمملکت نے صدر کو مشورہ دیاتھا یا نہیں ؛اور اگر دیا تھا توکیا مشورہ دیا تھا۔[1]

---

[2] الكامل لابن الأثير.ثم دخلت سنة تسع وخمسمائة،ذكر وفاة نور الدين محمود بن زنكي ۱۲۵/۵

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

گویا اگر صدرِ پاکستان فوج کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کرکے انہیں روند ڈالو،یا اپنے خفیہ اداروں کو یہ حکم دے کہ ایسی تمام معلومات امریکیوں کے حوالے کردی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب وغیر عرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لیے درکار ہیں یا اسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کردو.........تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔پھر اگر کوئی وزیر ،صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام افعال اسلام ، اخلاق اور مروت کے منافی ہیں ، اوران کے نتیجے میں پاکستان مصائب کا شکار ہوگا،لیکن صدر پھر بھی ان تمام جرائم کی تنفیذ پر مصر رہے ،تو نہ اس سے پوچھ گچھ ممکن ہے ،نہ اس کے خلاف یہ حجت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم اچھی طرح واضح کردیا گیا تھا پھر بھی اس نے اس کا ارتکاب کیا۔

نیز یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دفعہ ۴۸ کی عبارت میں عموم اور اطلاق پایا جاتا ہے یہ دفعہ ان

“President to act on advise, etc.
48. (1) In the exrcise of his function, the President shall act in accordance with the advise of the Cabinet or the Prime Minister:
Provised that the President may require the Cabinet or, as the case may be, the Prime Minister to reconsider such advise, either generally or otherwise, and the President shall act in accordance with the advise tendered after such reconsideration.
(2) Notwithsanding anything contained in clause (1), the President shall act in his descretion in respect of any matter in respect of which he is empowered by the Constitution to do so and the validity of anything done by the President in his discretion shall not be called in question on any ground whatsoever.
....
(4) The question whether any, and if so what, advise was tendered to the Presidnet by the Cabinet, the Prime Minister or Minister of State shall not be inquired into in, or by, any court, tribunal or other authority”. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1-THE PRESIDENT, Article 48].

دو قسم کے مسائل میں تفریق نہیں کرتی ؛ایک وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے اور مصلحت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے صدر ان میں اجتہاد کرسکتا ہے،اور دوسرے وہ جن میں اپنی عقل لڑانا اور کمی بیشی کرنا حرام ہے، اور ایسا کرنا کبھی فسق تک لے جاتا ہے اور کبھی کفر تک ۔الغرض یہ دفعہ صدر کو اس کے ہر فعل میں کھلی چھوٹ اور تحفظ فراہم کرتی ہے،خواہ اس کا فعل شریعت سے موافق ہویا شریعت کے مخالف۔

دفعہ ۲۴۸

آئینِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸صدرِ پاکستان ، وزیرِ اعظم ،صوبوں کے گورنر ، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی وصوبائی وزراء کے ان تمام افعال کو مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جوانہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں۔

بالخصوص صدر اور گورنر کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کاروائی کی جاسکتی ہے ، نہ ان کی گرفتاری کے حکم نامے جاری ہوسکتے ہیں ، نہ کسی شرعی یا غیر شرعی عدالت کے قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ صدارت وگورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے۔[1]

---

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:
248. Protection to President, Governor, Minister, etc.
248. (1) The President, a Governor, the Prime Minister, a Federal Minister, a Minister of Sstate, the Chief Minister and a Provincial Minister shall not be answerable to any court for the exercise of powers and performance of functions of their repective offices or for any act done or purported to be done in the exercise of those powers and performance of those

معروف قانون دان محمد رفیق بٹ اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ دفعہ اس عمومی قاعدے سے استثناء کی حیثیت رکھتی ہے کہ 'کوئی شخص بھی قانون سے بالاتر نہیں''۔[1]

ایک اشکال اور اس کاجواب

یہاں یہ اشکال پیدا ہونا ممکن ہے کہ :دفعہ ۲۴۸ تو اِن عہدیداران کو صرف ان کے فرائض کی انجام دہی سے متعلق تحفظ فراہم کرتی ہے ،نہ کہ انہیں قانون ودستور کی مخالفت کا اختیار دیتی ہے ۔پس جب انہیں پاکستان کے اس اسلامی دستور وقانون کی مخالفت کا اختیار نہیں دیا جارہا توپھر کیا شرعی قباحت باقی رہ جاتی ہے؟

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ:

---

functions:
Provided that nothing in this clause shall be construed as restricting the right of any person to bring approriate proceedings against the federation or a Province.
(2) No criminal proseedings whatsoever shall be instituted or continued against the President or a Governor in any court during his term of office.
(3) No process for the arrest or imprisonment of the President or a Governor shall be instituted during his term of office in respect of any thing done or bnot doen by him in his personal capacity whether before or after he eneters upon his office unless, at least sixty days before the proceedings are instituted, notice in writing has been delivered to him, or sent to him in the manner prescribed by law, stating the nature of the proceedings, the cause of action, the name, descriptions and place of residence of the party by whom the proceedins are to be instituted and the relief which the party calims. [PART XII Miscellaneous, CHAPER4, - GENERAL, Article 248].

[1] THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 248p:417.

(الف)پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کا دستور اور قانون دونوں ہی خلافِ شرع امورع سے پُر ہیں اور کسی صاحبِ عقل وفہم کے لیے اس امر میں شک کرنا ممکن نہیں۔اسی مناسبت سے ذکر کرتا چلوں کہ مفتی محمود رحمہ اللہ نے ۱۹۶۹ء میں یہ اعلان کیا تھا کہ :

> ''حکومتی ٹولے نے قیامِ پاکستان کے ۲۲ سال گزجانے کے بعد بھی شرعی نظام نافذ نہیں کیا اور پاکستانی عدالتیں مسلسل استعماری عیسائیوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے دیتی چلی آرہی ہیں''۔[1]

پس اگر ۱۹۶۹ء میں آپ کا تبصرہ یہ تھا ،تو اب سن ۲۰۰۹ء میں کیا کہنا چاہیے جب کہ حکومتِ پاکستان اسلام کے خلاف لڑی جانے والی صلیبی جنگ میں پوری طرح شریک ہوچکی ہے؟بلاشبہ آج بھی اس دستور وقانون کی پیروی کرتے رہنا بہت خطرناک شرعی مخالفتوں میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔

(ب)اگر ایک لمحے کے لیے اس دستور وقانون کو اسلامی قانون مان لیا جائے ،تب بھی دفعہ ۲۴۸ کی عبارت کچھ یوں ہونی چاہیے تھی:

> ''مذکورہ اشخاص اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران دستور وقانون کے موافق جو افعال سر انجام دیں گے، ان پر کسی قسم کی سزا نہیں ہوگی''۔

لیکن دفعہ ۲۴۸ تو عدالتوں کو یہ اختیار بھی نہیں دیتی کہ وہ اشخاص کو اپنے پاس طلب کریں اور دیکھیں کہ ان کے کون سے افعال موافقِ دستور ہیں او ر کون سے مخالف۔اگر یہ لوگ واقعی بے قصور ہیں اور انہوں نے یہ کام حسنِ نیت کے ساتھ دستور وقانون کے موافق

---

[1] تحقیق زاد المنتهي شرح الجامع الترمذي.مقدمة الشيخ شير علی شاہ ص ۱۶

کرنے کی کوشش کی ہے،تو پھر یہ عدالتی کاروائی کاسامنا کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟کیوں یہ ایسی قانونی عبارتوں کا سہارا لینے پر مصر ہیں جو انہیں ہر قسم کی پوچھ گچھ سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہیں؟

(ج)دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے دوران جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی ....لیکن ایسی کوئی شرط نہیں مذکور کہ ان افعال کا شریعت سے موافق ہونا لازم ہے ،نہ ہی ایسی کوئی تصریح کی گئی ہے کہ یہ قانونی تحفظ محض اجتہادی امور کے دائرے تک محدود ہے ۔دفعہ ۲۴۸تو شریعت سے متعلقہ کسی قید کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کرتی۔

(د)جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کرچکے ہیں ، شریعتِ اسلامیہ میں یہ تصور سرے سے پایا ہی نہیں جاتا کہ کسی خاص شخصیت کو عدالت میں حاضری سے بالاتر سمجھاجائے۔شریعت توہروزیر ،حکمران یا صدر پر واجب کرتی ہے کہ جب اسے عدالت میں طلب کیا جائے تو وہ حاضر ہو اور دلائل سے یہ بات ثابت کرے کہ اس نے جس فعل کا ارتکاب کیا ہے وہ شرعی احکامات کے موافق ہے یا وہ ان امور میں سے ہے جن میں اجتہاد کی اجازت ہماری شریعت میں موجود ہے۔پھر یہ معاملہ شرعی عدالت کے سپرد کیاجائے کہ وہ اس کے تصرفات کو صحیح یا غلط قرار دے اور اس کے نتیجے میں اسے بری کرے یا سزا کا مستحق ٹھہرائے۔

(ہ)یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ کوئی بھی حکومتی ذمہ دار خواہ وہ کتنے ہی بلند منصب پر کیوں نہ فائز ہو،اس کا شرعی عدالت میں پیش ہونے سے انکار کرنا بذاتِ خود ایک شرعی جرم ہے ، چاہے وہ اس

جرم سے بالکل بری ہو ،جس کے الزام میں عدالت نے اسے طلب کیا ہو۔

چنانچہ یہ بات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸،جو بعض حکومتی عہدیداران کو عدالت میں پیشی سے تحفظ فراہم کرتی ہے،شریعت سے صراحتاً متصادم ہے۔اور یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کرچکے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے ، اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہی ہو۔[1]

آگے آنے والی مثالوں سے قارئین پر یہ بات بھی واضح ہوجائے گی کہ دفعہ ۲۴۸میں بیان کردہ یہ غیر شرعی اصول محض دستور کے صفحات تک محدود نہیں،بلکہ یہ تو ایک معمول بہا قاعدہ بن چکا ہے۔جب بھی فوج کا کوئی سربراہ حکومت کا تختہ اُلٹتا ہے تو ایمرجنسی نافذ کرکے اپنی مرضی کے قوانین ،احکام اور ضابطے صادر کرتا ہے۔پھر یہ مرحلہ گزرنے کے بعد وہ مختلف شیطانی حیلے استعمال کرکے پارلیمان سے ان تمام کرتوتوں پر عام معافی حاصل کرلیتا ہے جو اس سے ایمرجنسی کے دوران صادر ہوئیں اور یہ عام معافی اسے ہر قسم کی عدالتی کاروائی سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔حضرات!یہ ہے پاکستان کا اسلامی دستور !

﴿ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ (الانعام:۱۳۶)
''کتنا برافیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں!''

دستور کی یہ دفعہ ہمیں تاریخ کا ایک انوکھا لطیفہ یاد دلاتی ہے۔جب اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کو خلافت کا منصب حاصل ہواتو اس نے اپنے پیشرو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے صالح طور

[1] دوسراباب ، پہلی فصل

طریقوں پر چلنے کا ارادہ کیا۔اس کے برے ہم نشینوں نے اسے اس نیک ارادے سے باز رکھنے کے لیے بیس علماء.........اور ایک روایت کے مطابق چالیس علماء ....کو جمع کیاجنہوں نے اللہ کی قسم کھاکر اسے یقین دلایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلیفہ بناتا ہے تو اس کی نیکیاں قبول کرتا ہے اور اس کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔[1](بالکل اسی طرح آج دستورِ پاکستان بھی پاکستانی حکمرانوں کے تمام جرائم پر پردہ ڈالتا ہے اور انہیں مکمل قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے تاکہ وہ ہر قسم کے محاسبے سے بے خوف ہوکر گناہ بلکہ کفر تک کے مرتکب ہوں۔)

دفعہ ۲۴۵

دستورکی دفعہ ۲۴۵کے مطابق مسلح افواج کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی بیرونی حملہ یا خطرۂ جنگ کی صورت میں وفاقی حکومت کے احکامات کے مطابق پاکستان کا دفاع کریں گے،اور جب انہیں شہری انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کیاجائے تو اس کی مدد کریں۔

> پھر اسی دفعہ کی شق دوم میں کہاگیا کہ اس حوالہ سے وفاقی حکومت جو احکامات بھی جاری کرے ،ان کی صحت کو کسی عدالت میں زیرِ بحث نہیں لایاجاسکتا۔[2]

[1] منهاج السنة النبوية لابن تيمية .فصل:والقاعدة الكلية في هذا أن لا نعتقد أحداً معصوماً بعد النبي صلى اللّٰہ علیہ وسلم.۲۰۰/۲، البداية والنهاية لابن كثير.ثم دخلت سنة خمس ومائة،ترجمہ يزيد بن عبدالملك ۲۵۹/۹، تاريخ الخلفاء للسيوطي .يزيد بن عبدالملك بن مروان ۱۰۰/۱

[2] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Functions of Armed Forces
245. (1) The Armed Forces shall, under the directions of the Federal Government defend Pakistan against external aggression or threat of war, and, subject to law, act in aid of civil power when called upon to do so.

یعنی پاکستان بھر کو امریکہ کی خدمت پر مامور کرنا اور اس کے تمام افرادی ومالی وسائل صلیبی قوتوں کے تابع کرنا پرویز مشرف کا دستوری حق تھا۔ اس گھناؤنے جرم کو سندِ جواز عطا کرنے کے لئے بس یہی دلیل کافی سمجھی گئی کہ ''اگرہم ایسا نہ کرتے تو امریکہ پاکستان کو تباہ کرڈالتا''، اور یہی باطل دلیل پرویز نے اپنی یاداشتوں پر مشتمل کتاب میں بھی ذکرکی ہے۔[1]

اسی طرح دستورِ پاکستان ہی نے پرویز کو یہ اختیار بخشا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے اور اُس مسلمان ، پڑوسی، دوست ملک افغانستان کو تباہ کرنے کا حکم دے جس نے روسی حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے لاکھوں شہداء کی قربانی پیش کی یہاں کہ پاکستان روس کے شر سے محفوظ ہوگیا۔اسی 'اسلامی'دستور سے وفاداری نبھاتے ہوئے پاکستانی مسلح افواج ،پولیس اور خفیہ ادارے افغانستان کے مسلمانوں کے قتلِ عام ،امارت اسلامیہ کے خاتمے ،اس کی قیادت اور ذمہ داران کی جلاوطنی اور اس کے عرب وغیر عرب انصار کے قتل ،گرفتاری تعذیب اور پھر امریکہ کے حوالے کردینے جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوئے ۔پھر بس اسی پر نہیں ، بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو داخلِ پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے ، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے ،اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر بمباری کرنے،اس کے طلبہ وطالبات کو بے دردی سے قتل کرکے ان کی قبریں تک چھپادینے کے احکامات دیئے ۔لیکن یہ سب قیامتیں ٹوٹنے کے بعد بھی 'اسلامی‘جمہوریۂ

(2) The validity of any direction issued by the Federal Government under clause (1) shall not be called in question in any court. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 2. – ARMED FORCES, Article 245].

1 In the line of fire, a memoir-part 5: The War on terror, Chapter 20: one day that changed the world.

پاکستان کا 'اسلامی'دستورِ پرویز مشرف کو مکمل تحفظ دیئے ،آج تک اس کے محاسبے کی راہ میں حائل ہے ۔ پس نہ تو کوئی شرعی عدالت ،نہ ہی کوئی شیطانی عدالت پرویز کو طلب کرنے اور محض عدالت میں پیشی پر مجبور کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ'ہمارا دستور اسلامی ہے'......... یاللعجب!

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴾ (الکھف:۵)

''بہت سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ)یہ جوکچھ کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے''۔

آئیے ذرا دستورِ پاکستان میں موجود ان انحرافات کو امام ابوبکر جصاصؒ کی پہلے ذکر کردہ عبارت کے ساتھ ملاکر دیکھتے ہیں ، جہاں آپ نے یہ امر واضح کیا ہے کہ حکمرانوں کے جرائم پر خاموشی اختیار کرنا اور انھیں نیکی کا حکم نہ دینا اور برائی سے نہ روکنا کیسے خطرناک مفاسد اور نقصانات کا باعث بنتا ہے ۔فائدے کے پیش نظر ہم ان کاکلام یہاں دہرائے دیتے ہیں:

''پس یہ لوگ[1] اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں ،کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم وجبر پر انکار سے روک دیا ہے ۔ا ن کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق وفجار غالب آئے ،مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی ،اسلامی سرحدات پامال ہوئیں ،ظلم پھیل

[1] یعنی جو لوگ ظالم حکمران پر ہاتھ اور زبان سے انکار کرنے سے روکتے ہیں اور بلاشک وشبہ یہ پاکستانی دستور کو لکھنے والے اور اس کی حمایت کرنے والے بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔

گیا ،بستیاں برباد ہوئیں ،دین ودنیا لٹ گئے اورزندقہ ، غلو اور مذاہب ثنویہ،خرمیہ اورمزدکیہ پروان چڑھے ،مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف،نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑبیٹھے تھے،واللہ المستعان''۔[1]

دفعہ ۲۷۰

دستور کی دفعہ ۲۷۰کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹دسمبر ۱۹۷۱ء تک صادر ہونے والے تمام صدارتی فرامین ،مارشل لاء ضوابط ،اور دیگر قوانین پر کسی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا[2]

---

[1] احکام القرآن للجصاص.سورة آل عمران.باب فرض الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۴۶۷۔۴۶۸/۳

[2] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Temporary validation of certain laws, etc.
270. (1) Majlis-e-Shoora (Parliment)] may by law made in the manner prescribed for legislation for a matter in Part I of the Federal Legislative List all Proclamation, President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Order and other laws made between the twenty-fifth day of March, one thousand nine hundred and sixty-nine, and the nineteenth day of December, one thousand nine hundered and seventy one (both days inclusive).
(2) Notwithstanding a judgment of any court, a law made by Majlis-e-Shoora (Parliment) under clause (1) shall not be questioned in any court any ground, whatsoever.
(3) Nothwithstanding the provisions of clause (1), and a judgment of any court to the contrary, for a period of two years from the commencing day, the validity of all such instruments as are referred to in clause (1) shall not be called in quetion before any court on any ground whatsoever.
(4)All orders, made, proceedings taken, and acts done by any authority, or any person, which were made, taken or done, or purported to have been made, taken or done, between the tweinty-fifth day of March, one thousand nine hundred and sixty nine and nineteenth day of December, one thousand nine hundred and seventy-one (both days inclusive), in exercise of powers derived from any President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Orders, enactments, notifications, rules, orders, or bye-laws, or in execution of any order made or sentence passed by

دفعہ ۲۶۹

پاکستانی دستور کی دفعہ ۲۶۹ کہتی ہے کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے لے کر ۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء کے درمیان جاری ہونے والے تمام صدراتی فرامین ،مارشل لاء ضوابط ،اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ نہیں دائر کیا جاسکتا۔[1]

دفعہ ۲۷۰،الف

---

any authority in the exercise or purported exercise of power as aforesaid shall, notwithstanding any judgment of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done, so however that any such order, proceeding or act may be declared invalid by 1[Majlis-e-Shoora (Parliment)] at any time within a period of two years from the commencing day by resolution of both Houses, or in case of disagreement between the two Houses, by such resolution passed at a joint sitting and shall not be called in question before ant court or any ground, whatsoever. [PART XII Miscellaneous, CHAPTER7. - TRANSITIONAL, Article 270].

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

269. Validation of law, acts, etc.

(269). (1) All Proclamations, President's Orders, Martial Law Regulations, Martial Law Orders and all other laws made between the twentieth day of December, one thousand nine hundred and seventy-one and the twentieth day of April, one thousand nine hundred and seventy-two (both days inclusive), are hereby declared notwithstanding any judgment of any court, to have been validly made by competent authority and shall not be called in question in any court on any ground whatsoever.

(2) All orders made, proceedings taken and acts done by any authority, or by any person, which were made, taken or done, between the twentieth day of December, one thousand nine hundred and seventy-one, and the twentieth day of April, one thousand nine hundred and seventy-two (both days inclusive), in exercise of the powers derived from any President’s rules, order or by.laws, or in execution of any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of powers as aforesaid. Shall, notwithstanding any judgment of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done and shall not be called in question in any court on any ground whatsoever.

(3) No suit or other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any person for or on account of or in respect of any order made, proceedings taken or act done

دفعہ ۲۷۰ الف کی رو سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا اعلان ،تمام صدارتی فرامین ، مارشـل لاء ضـوابط واحکامـات، ۱۹۸۴ء کے ریفرنـڈم ،دسـتور کی دوسـری اور تیسـری ترامیم اور اس کے علاوہ تمـام احکامـات وقـوانین جـو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفـاذ تـک صـادر ہوئے ....ان تمـام پـر ان کے نتـائج واثـرات سـمیت کسی بھی عدالت میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔[1]

whether in the exercise or purported exercise of the powers referred to in clause
(2) or in execution of or in compliance with orders made or sentences passed in exercise or purported exercise of such powers, [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7. – TRANSITIONAL, ARTICLE 269].

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:
270A. Affirmation of Presidents’s Orders, etc.
270A. –(1) The Proclamation of the fifth day of July, 1977, all President’s Orders, 1984 (P.O. No. 11 of 1984), under which, in consequence of the result of the referundum held on the nineteenth day of December, 1984, General Mohammad Zia-ul-Haq became the President of Pakistan on the day of first meeting of the Majlis-e-Shoora (Parliament) in joint sitting for the term specified in clause (7) of Article 41, the Revival of the Constitution of 1973 Order, 1985 (P.O. No. 14 of 1985), the Constitution (Third Amendment) Order, 1985 (P.O. No. 24 of 1985), and all other laws made between the fifth day of July 1977, and the date on which this Article comes into force are hereby affirmed, adopted and declared, notwithstanding any judgment of any court, to have been validly made by competent authority and, notwithstanding anything contained in the Constitution, shall not be called in question in any court on any ground whatsoever:
....
(2) All orders made, proceedings taken and acts done by any authority or by any person, which were made, taken or done, or purported to have been made, taken or done, between the fifth day of July, 1977, and the date on which this Article comes into force, in exercise of the powers derived from any Proclamation, President’s Orders, Ordinance, Martial Law Regulations, Martial Law Orders, enactments, notifications, rules, orders or bye-laws, or in execution of or in complaince with any order made ot sentence passed by any authority in the exercise or purported exercise of powers as aforesaid, shall, notwithstanding any judgment of any court, be deemed to be and always to have been validly made, taken or done

لیکن سپریم کورٹ نے دفعہ ۲۷۰ الف کے حوالے سے اپنا ایک فیصلہ سناتے ہوئے [1] کہا ہے کہ قراردادِ مقاصد میں شامل تمام احکامات اور اصول دستور کا اساسی اور نافذ العمل حصہ ہیں اور ریاست کے کسی اہلکار کو بھی قراردادِ مقاصد کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ۔ جو ریاستی اہلکار بھی ان حدود سے تجاوز کرے تو اس کے اس عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدودِ الٰہی اور اسلامی تقاضوں کی مخالفت کے سبب غیر قانونی سمجھا جائے گا ۔اسی طرح وہ آخری مارشل لائی احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیاگیا ہے،اگر وہ بھی اسلام اور قراردادِ مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابند ہیں کہ اس دفعہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلے لاگو کریں جو اللہ مالک الملک سبحانہ کے قانونِ اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتا ہے۔[2]

اس فیصلے پر تفصیلی بحث تو ہم ان شاء اللہ پہلی فصل کے تیسرے باب میں کریں گے جہاں ہم نے پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں قراردادِ مقاصد اور دستور کی دفعہ ۲ الف کا جائزہ لیا ہے۔البتہ یہاں ہم اس فیصلے کے حوالے سے چند مختصر گزارشات کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

---

and shall not be called in question in any court on any ground whatsoever.

....

(4) No suit, prosecution ot other legal proceedings shall lie in any court against any authority or any personsm for or on account of or in respect of any order made, proceedings taken on act done whether in exercise or purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in exexcution of or in complaince with orders made or sentences passed in exercise or purported exercise of such powers, [PART XII Miscellaneous, CHAPTER 7. – TRANSITIONAL, Article 270A].

[1] 1990 CLC 1683

[2] THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 227p: 384

(الف)عدالت کا فرض تھا کہ وہ دفعہ ۲۷۰ الف میں بیان کردہ اصول کو ،جو کئی دیگردفعات میں بھی بیان کیا گیا ہے ،باطل قرار دے کیونکہ شریعت میں کسی کو بھی عدالتی پیشی سے کوئی تحفظ حاصل نہیں ، خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم ،ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ،سبھی پرعدالت میں مقدمہ کیا جاسکتاہے۔

(ب)عدالت نے قراردادِ مقاصد کے ساتھ یوں معاملہ کیا ہے گویا وہ شرعی احکامات کے مترادف ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان کئی بنیادی فرق ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱)قراردادِمقاصد انسانوں کے وضع کردہ ایک دستور کی عبارت ہے جسے پہلی دستور ساز کمیٹی نے غالب اکثریت سے منطور کیا تھا اور ا س کے بعد اسی اسلوب سے یہ مختلف دساتیر کا حصہ بنی ،جبکہ شریعت تو وحیٔ الٰہی ہے اور اپنی منظوری کے لئے کسی بھی انسان کی موافقت کی محتاج نہیں۔

(۲)قراردادِمقاصد اور تمام دستوری دفعات قانونی حیثیت تبھی حاصل کرتی ہیں جب انہیں استصوابِ رائے یا ایسے دیگر ذرائع سے عوامی تائید حاصل ہو،جبکہ شریعت کو اسی وقت یہ حیثیت مل جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ اسے نازل فرماتے ہیں۔ شریعت کی حیثیت منوانے کے لئے کسی قسم کا استصوابِ رائے کرانا قطعاً قابلِ قبول نہیں ۔شریعت تو انسانوں پر حاکم بن کر آتی ہے ، نہ کہ انسانی آراء کی محکوم ۔اسی لئے شریعت کوقبول کرنے ، نہ کرنے کے معاملے پر عوام سے رائے لینا یا استصوابِ رائے کروانا خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے ۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم!یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک (اے نبیﷺ)تمہیں اپنے باہمی تنازعات میں منصف نہ بنالیں اور جو فیصلہ تم کردو اس پراپنے دل میں تنگی بھی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے سرتسلیم خم کردیں''۔

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتے ہیں:
﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (ھود:۱۱۲۱۱۲)
”(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!)جیساآپ کو حکم ہوا ہے ،(اس پر)آپ اور جو آپ کے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہیے اورحد سے تجاوز نہ کیجئے ،وہ آپ کے سب اعمال دیکھ رہا ہے“۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلالا مُبِينًا﴾(۳٦الأحزاب:۳۶)
''اورکسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور ا س کارسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار باقی سمجھیں ، اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ صریح گمراہی میں جاپڑا''۔

اسی طرح پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی دستوری عبارت میں مکمل آزادی کے ساتھ ترمیم کرسکے ،جیسا کہ ہم پہلے باب میں وضاحت کرچکے ہیں ،جبکہ شرعی احکامات میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی ۔پس شریعت کو کسی قابلِ تغییر دستاویز کے درجے پر رکھنا شریعت کی توہین ہے۔

دفعہ ۲۷۰ الف کے حوالے سے یہ عدالتی فیصلہ پڑھنے کے بعد میرادل یہ کہتا ہے کہ یہ فیصلہ سنانے والے جج کا قلب شریعت کی محبت وتعظیم اور غیرتِ دینی کے جذبات سے معمور تھا.........کیونکہ ایسا ملغوبہ نما حل وہی لوگ نکالتے ہیں ،اس جمہوری نظام میں رہنا جن کی مجبوری ہوتی ہے اور اسلامی نظام کے تقاضے پورے ہوتے دیکھنا جن کی قلبی تمنا ہو،اب چونکہ یہ دونوں نظام یکسر مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں لٰذا ایسی کوششوں کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلتا کہ کفر واسلام کا ایک مضحکہ خیز سا مرکب وجود میں آجاتا ہے ۔''جمہوریت '' کا بنیادی عقیدہ ہی یہ ہے کہ انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے اور اپنے لئے سامان تعیش اور سرمایۂ دنیا جمع کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔اس مادر پدر آزادی کے پیچھے ظالم جاگیرداروں ،سرکش بادشاہوں اور منحرف کلیسا کی مکروہ مثلث اور مغربی عوام کے درمیان کشمکش پر مشتمل ایک طویل تلخ تاریخ ہے ۔یہ کشمکش بالآخر جمہوریت اور مظلوم عوام کی فتح پر منتج ہوئی اور یہ طے پایا کہ حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ اب سے عوامی اکثریت کا حق ہے ۔

یہ تو ہے مغرب کی تاریک تاریخ سے پھوٹنے والا باطل عقیدہ!اس کے برعکس اسلامی تصورِ ''خلافت''تنہا اللہ رب العالمین کی بندگی وغلامی اور ہرغیر اللہ کی عبودیت سے مکمل آزادی کے عقیدے پر قائم ہے ۔یہاں محبت ووفاداری بھی اللہ ہی سے نبھائی جاتی ہے اورذلت وعاجزی بھی اسی کے سامنے اختیا رکی جاتی ہے ۔یہ نظام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد ہونے کا درس دیتا ہے اور تنہا اللہ کے سامنے جھکنا سکھاتا ہے ۔اسلام کے عطاکردہ اس عقیدے کی تاریخی بنیادوں کاکھوج لگائیں تو اس کے رشتے بھی وحی سے جاکر ملتے نظر آتے ہیں ۔اسلام تواللہ کی جانب سے پوری انسانیت کے لئے توحید کا آخری پیغام ہے جو سیدنا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کرآئے۔اسلام کا عطاکردہ نظام تو عدل وانصاف ،مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ ،باہمی مشورہ اور حکمرانوں کے احتساب جیسی روشن اقدار کا حامل نظام ہے،جو کہ اسے خلافت راشدہ کے مثالی دور سے ورثہ میں ملی ہیں۔پھر یہی اقداراسلامی فتوحات میں بھی ایک اہم عامل کے طور پر سامنے آتی ہیں اور انہی فتوحات کی بدولت انسانیت مخلوق کی غلامی سے نجات پاکر مخلوق کے رب کی بندگی سے سرفراز ہوتی ہے۔ الغرض اسلامی نظامِ خلافت میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی نازلَ کردہ شریعت کاحق ہوتی ہے،کسی دستور اور قراردادِ مقاصد کا نہیں ۔

(ج)قراردادِ مقاصد.........جس پر سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلے میں مکمل انحصار کیا ہے.........کا حجت ہونا خود ایک متنازعہ امر ہےٍ۔اسی لئے تو پاکستانی عدالتوں میں اس کی حیثیت سے متعلق متضاد آراء پائی جاتی ہیں ۔اس تنازعے واختلاف کی تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب کی پہلی فصل میں پیش کی جائے گی ۔

(د)جہاں ایک طرف زیر بحث عدالتی فیصلے میں دفعہ ۲۷۰ الف میں مذکورہ احکامات وقوانین وغیرہ کو تحفظ دینے کی نفی کی گئی ہے جبکہ وہ قراردادِ مقاصد سے متصادم ہوں،وہیں انہی پاکستانی عدالتوں سے متعدد ایسے فیصلے بھی صادر ہوئے ہیں جن سے اس دفعہ میں مذکور قانونی تحفظ کی تائیدہوتی ہے۔ انہیں فیصلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سپریم کورٹ نے دفعہ ۲۷۰ الف کی بناء پر عدالتوں کو سود کے بطلان کا فیصلہ دینے سے روک دیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگرچہ سود پاکستانی قانون کی بعض دفعات (۱۶)کی رو سے باطل ہے ،لیکن مذکورہ دستوری دفعہ کے تحت

اسے قانونی تحفظ حاصل ہے اور عدالتوں کو اس معاملے پر فیصلہ دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔[1]

(۲)اسی طرح بعض عدالتی فیصلوں میں مذکورہ بالا دونوں آراء سے بچتے ہوئے ایک درمیانی راہ بھی نکالی گئی ہے ۔مثلاًلاہورہائی کورٹ نے اپنے ایک فیصلہ میں ....جس کی تائید سپریم کورٹ نے بھی کی ہے ....یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ دفعہ ۲۷۰الف کے تحت جن اقدامات واحکامات کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے،وہ تحفظ اس صورت میں باقی نہیں رہتا جب وہ اقدامات اپنے دائرۂ اختیار سے باہر نکل کر،یا اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے یابدنیتی سے کئے گئے ہوں۔[2]

میرے خیال میں یہ رائے اس تضاد کو واضح کرتی ہے جو دستور کو اپنے لئے واجب الاتباع مصدرِ اختیارات وقانون قرار دینے والا جج محسوس کرتا ہے ۔وہ بیچارہ ایک طرف تو اپنے آپ کو دستورکا پابند سمجھتا ہے،جب کہ دوسری جانب اسے ایسی دستوری دفعات سے واسطہ ہے جو عقل وضمیر دونوں ہی کے خلاف ہیں ،چنانچہ چار وناچار وہ کوئی درمیانی رستہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اگریہ جج شریعت کو ہی مقتدرِاعلیٰ سمجھتا اور اس بات پر ایمان رکھتا کہ شریعت کے مقابلے میں کسی دستور کی کوئی حیثیت نہیں،تو اسے اپنی عقل وضمیر کی خلش کا شافی جواب مل جاتا۔رب تعالیٰ کی شریعت میں تو کسی شخص کو بھی شرعی احکام سے بالاتر اور عدالتی محاسبہ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔یہ تو اللہ جل جلالہ کی صفت ہے کہ اُسے کوئی

---

[1] PLD1987 Kar.612،اسی طرح درج فیصلے بھی:
PLD 1986 kar. 301, 1987 MLD 312, PLD 1987 Kar, 291 and 1987 MLD 279. [THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 270A p:444 & 445

[2] PDL 1988 Lah. 49 & PLD 1988 S.C.26.

پوچھنے والا نہیں اپنے لئے یہ صفت پسند کرنے والا شخص تو گویا خدائی اختیارات کا مالک بننے کا خواہاں ہے ۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ۝لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ۝لا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ (الأنبياء:٢١۔٢٣)

''توکیا انہوں نے زمین سے ایسے معبود بنالئے ہیں جو انہیں (مرنے کے بعد)زندہ کر اٹھائیں گے؟ اگرزمین وآسمان میں اللہ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو زمین اور آسمان درہم برہم ہوجاتے ۔ اللہ جو عرش کا مالک ہے،ان امور سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ جو کچھ کرتا ہے ،کوئی اس سے بازپرس نہیں کرسکتا جبکہ دوسروں سے بازپرس کی جاسکتی ہے''

دفعہ ٢٧٠ الف الف

یہ دفعہ اُن تمام قوانین ،حکم ناموں اور ضابطوں کو قانونی چارہ جوئی سے تحفظ فراہم کرتی ہے جو ١٩٩٩ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر کئے گئے۔ انہی احکامات میں ١٩٩٩ء کا عبوری آئینی حکم[1]اور ٢٠٠٢ء میں منظور ہونے والی ترمیم ''ایل ایف او''اور اس کے بعد والی ترامیم بھی ....اپنے نتائج واثرات سمیت ....شامل ہیں۔[2]

---

[1] Privisinoal Constitution Order No. 1 of 1999.

[2] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

270AA. Validation and affirmation of laws.

270AA. (1) The Proclamation of Emergency of the fourteenth day of October, 1999, all President's Ordenances, Chief Exective's Orders. including the Provisional Constitution Order No. 1 of 1999, the Oath of Office (Judges) Order, 2000 (No. 1 of 2000), the amendments made in the Constitution through the Legal Framework Order, 2002 (Chief Exective's Order No. 24 of 2002), the Legal Framework (Amendment) Order, 2002 (Chief Executive's Order No. 29 of 2002), the Legal framework (Second Amnedment) Order, 2002 (Chief

دفعہ ۶۶

اس دفعہ کے تحت پارلیمـــــان کے ہررکن اور ہراس شخص کو جو پارلیمان میں بات کرنے کا اختیار رکھتا ہے، یہ تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں جو بھی بات کرے اُس کے خلاف کسی بھی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی ہےلیکن اسی دفعہ کی شق ۳ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو رکن پارلیمان بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے، کمیٹی کے سربراہ کے مطالبے کے باوجود، اپنی دستاویزات یا

Executie's Order No. 32 of 2002) and all other laws made between the twelfth day of Octoberm one thousand nine hundred and ninety-nine and the date on which this Article comes into force (both days inclusive), having been duly made are accordingly affirmed, adopted and declared to have been validly made by the competent authority and nowwithstanding anything contained in the Constitution shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever.

(2) All orders made, proceedings taken, appointments made, including seconments and deputations, and acts done by any authority, or by any person, which were made, taken or donem or purported to have been made, taken or done, between the twelfth day of Octoberm one thousand nine hundred and ninety-nine, and the date on which this Article comes into force (both days inclusive), in exercise of the powers derived from any Proclamation, President's Orders, Ordinances, Chief Executive's Orders, enactments, including amendments in the Constitution, notifications, rules, orders, bye-laws, or in execution of or in compliance with any orders made or sentences passed by any authority in the exercise or purported exercise of powers as aforesaid, shall notwithstannding any judgement of any court, be deemed to be and alwas to have been validly made, taken or done and shall not be called in question in any court or forum on any ground whatsoever

....

(4) No suit, procecution or other legal proceedings including writ petitions, shall lie in any court of forum against any authiority or any person, for on account of or in respect of any order made, Proceedings taken or act done whether in the exercise or purported exercise of the powers referred to in clause (2) or in execution of or in compliance with orders made or sentences passed in exercise or purported exercise of such powers.]PART XII Miscellaneous, CHAPER 7. -TRANSITIONAL, Article 270AA.[

دیگرثبوت پیش کرنے سے انکار کرے،اسے سزا دینے کے لئے قانون سازی کی جائے۔[1]

یعنی پارلیمان کے ہر رکن اور پارلیمان میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے کہ پارلیمان میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی کرے جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترغیب دلائے، یہ دفعہ اسے مکمل تحفظ دیتی ہے اسے

---

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Privileges of members, etc.

66. (1) Subject to the Constitution and to the rules of procedure of Majlis-e- Shoora (Parliament), there shall be freedom of speech in Majlis-e-Shoora (Parliament) and no member shall be liable to any proceedings in any court in respect of anything said or any vote given by him in Majlis-e-Shoora (Parliament), and no person shall be so liable in respect of the publication by or under the authority of Majlis-e-Shoora (Parliament) of any report, paper, votes or proceedings.

(2) In other respects, the powers, immunities and privileges of Majlis-e-Shoora (Parliament), and the immunities and privileges of the members of Majlis-e-Shoora (Parliament), shall be such as may from time to time be defined by law and, until so defined, shall be such as were, immediately before the commencing day, enjoyed by the National Assembly of Pakistan and the committees thereof and its members.

(3) Provision may be made by law for the punishment, by a House, of persons who refuse to give evidence or produce documents before a committee of the House when duly required by the chairman of the committee so to do :

Provided that any such law-

(a) may empower a court to punish a person who refuses to give evidence or produce documents; and

(b) shall have effect subject to such Order for safeguarding confidential matters from disclosure as may be made by the President.

(4) The provisions of this Article shall apply to persons who have the right to speak in, and otherwise to take part in the proceedings of, Majlis-e-Shoora (Parliament) as they apply to members.

(5) In this Article. Majlis-e-Shoora (Parliament)] means either House or a joint sitting, or a committee thereof. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 2. – THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)], Article 66].

دوسروں کی عزت اچھالنے ،بہتان تراشی کرنے ،گناہوں پر ابھارنے،کفر بکنے،اسلام کا مذاق اڑانے اور ملکی راز افشاکرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔.........اوراس سب پر شرعی محاسبہ تو دور کی بات ،عدالتی محاسبہ بھی نہیں کیاجاسکتا۔

صرف یہی نہیں ،بلکہ دستور لکھنے والے کو اس بات پر بھی حیاء نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمان سے اپنے راز یا دستاویزات پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ تو کیا جائے ....لیکن لوگوں کی عزت وناموس پہ زبان درازی کرنے اور اسلام پرکیچڑ اچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو،اظہارِ رائے کی ایسی مطلق وگستاخانہ آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر اور جذبات میں کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی !یہی دراصل وہ انگریزی ثقافت ہے جس میں اسلام،اسلامی اقدار،اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت وناموس کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ،البتہ ان کے سوا ہر شے محترم ومقدس ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ممکن ہے یہاں کوئی اعتراض کرے کہ دفعہ ۶۳شق (g)اس رکنِ پارلیمان کی رکنیت کو منسوخ قرار دیتی ہے۔

Disqualifications for membership of Majlis-e-Shoora (Parliament)

63. (1) A person shall be disqualified from being elected or chosen as, and from being, a member of the Majlis-e-Shoora (Parliament), if-

(g) he is propagating any opinion, or acting in any manner, prejudicial to the Ideology of Pakistan, or the sovereignty, integrity or security of Pakistan, or morality, or the maintenance of public order, or the integrity or independence of the judiciary of Pakistan, or which defames or brings into ridicule the judiciary or the Armed Forces of Pakistan. [PART III The Federa tion of Pakistan, CHAPTER 2. – THE [MAJLIS-E-SHOORA (PARLIAMENT)], Article 63].

جو پاکستان کے نظریے ،پاکستان کی سلامتی یا اخلاقیات وغیرہ کے برخلاف کوئی کام کرے ۔(۲۲)اور یہ کہ ریاستِ پاکستان تو اسلام اور اسلامی احکامات کے التزام کے نظریے ہی پر قائم ہے۔

اس ممکنہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں عرض کرنا چاہوں گا کہ:

اولاً:ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ ریاستِ پاکستان اسلام کے التزام اور اسلامی احکامات کے احترام کے نظریے پر قائم ہے۔یہ کتاب اسی جھوٹے دعوے کی قلعی کھولنے کے لئے ہی لکھی گئی ہے ۔

ثانیاً:اگر ایک لمحے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ ریاستِ پاکستان اسلام اوراسلامی احکامات کے التزام کے نظریے پر کھڑی ہے ،تو پھربھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دستورِپاکستان کی رو سے پارلیمان میں خلاف شرع گفتگو کرنے والے شخص کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کرنا ممکن ہے؟اس حوالے سے ہمیں زیادہ سے زیادہ دفعہ۶۳کی دوسری اور تیسری شق ملتی ہے،جن میں درج ہے کہ جب کبھی کسی رکنِ پارلیمان کی اہلیت پر سوال اٹھے تو اسمبلی کے اسپیکر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملے کو چیف الیکشن کمشنر کے سپرد کرے اوروہ اس معاملے کو الیکشن کمیشن کے سامنے پیش کرے گا تاکہ اس کی چھان بین کرنے کے بعد اس حوالے سے کوئی قطعی فیصلہ کیا جائے۔[1]

---

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

Disqualifications for membership of Majlis-e-Shoora (Parliament)

63. ....

(2) If any question arises whether a member of Majlis-e-Shoora (Parliament) has become disqualified from being a member, the Speaker or, as the case may be, the Chairman shall, within thirty days from raising of such question refer the question to the Chief Election Commissioner.

(3) Where a question is referred to the Chief Election Commissioner under clause (2), he shall lay such question

الیکشن کمیشن ....جو خود بھی ایسے حضرات پر مشتمل ہوتا ہے جن کی تقرری کے لئے نہ تو مسلمان ہونا شرط ہے ،نہ ہی پابند شرع یا امین ہونا[2] ....وہ زیادہ سے زیادہ اسی بات کااختیار رکھتا ہے کہ اس رکنِ پارلیمان کی رکنیت منسوخ کردے ۔پھر اس کے بعد اسے دفعہ ۶۶کے تحت ہر قسم کے محاسبے اور قانونی چارہ جوئی سے تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

کیا اس سب کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی بچتی ہے کہ ریاستِ پاکستان اسلام کے التزام اور احکامِ شرع کے احترام پر قائم ہے؟

ممکن ہے کہ یہاں یہ حجت بھی پیش کی جائے کہ ارکانِ پارلیمان کو قانونی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کا مقصد دراصل یہ ہے کہ اعلیٰ مناصب کے حامل افراد ہر قسم کی انتقامی کاروائی اور دھونس و دھمکی سے بے خوف ہوکر اپنی ذمہ داریاں ادا کریں ؛ اور ارکانِ پارلیمان بھی اپنے آپ کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے دباؤ سے آزاد محلاتی سازشوں سے محفوظ سمجھتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز اطمینان سے لبیک کہہ سکیں۔

اس حجت پر تو یہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ ''عذرِ گناہ بدترازگناہ''!دھونس دھمکی ،انتقامی کاروائیوں اور محلاتی سازشوں سے تحفظ دینے کا طریقہ تو یہ تھا کہ آزاد ،امانت دار اور غیر جانب دار

---

before the Election Commission which shall give its decision thereon not later than three months from its receipt by the Chief ElectionCommissioner.
[PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 2. - THE [MAJLIS-E-SHOORA
(PARLIAMENT)], Article 63].

[2] چیف الیکشن کمیشنز کی بنیادی شرائط کے لیے دیکھئے آئین کی دفعہ ۲۱۳ کی شق نمبر ۲ جبکہ ارکان الیکشن کمیشن کی شرائط کے لیے دیکھئے دفعہ نمبر ۲۱۸ کی شق نمبر ۲ کا جزء ب

عدلیہ تشکیل دی جاتی ،اسے تمام اداروں کے دباؤ سے تحفظ فراہم کیا جاتا اور ارکانِ پارلیمان سمیت سبھی کو ان عدالتوں کے سامنے جوابدہ بنایاجاتا.........کوئی وجہ نہیں کہ اس کے بعد بھی ان سے ناانصافی ہوتی ہے تو کوئی علاج نہ ہوا کہ حکومتی عہدیداران کو جوابدہی سے مستثنیٰ قرار د کر شریعتِ اسلامی کی واضح مخالفت کی جائے اور لوگوں کو عملاً دوگروہوں میں تقسیم کردیاجائے:ایک وہ جو محاسبہ اور سزا کانشانہ بنیں ،اور دوسر ے وہ جو ان دونوں سے ہی مبرا قرار پائیں۔یہ دوسرا گروہ اپنے دفاع میں جو دلیل پیش کرتا ہے ....یعنی یہ کہ اگر انہیں بھی حکمِ شریعت کے سامنے دوسروں کے برابر کھڑا کردیا گیا تو انہیں ظلم وناانصافی کا اندیشہ ہے.........یہ تو وہی دلیل ہے جو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں منافقین کے حوالے سے بیان فرمائی ہے:

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ۝وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ۝أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

اوربعض لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور (ان کا)حکم مان لیا،پھر اسکے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے ،اور یہ لوگ اہلِ ایمان نہیں ہیں،اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں ،تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے ،اور اگر معاملہ ان کے حق کا ہو

تو مطیع وفرمانبردار بن کر ان کی طرف چلے آتے ہیں ،کیاان کے دلوں میں بیماری ہے ،یا یہ شک میں پڑے ہیں ،یا ان کویہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے حق میں ظلم کریں گے(نہیں!)بلکہ یہ خود ظالم ہیں ،مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم)سنا اورمان لیا،اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''

تیسراتضاد

سربراہِ ریاست (یعنی صدر)کو ہرقسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ۴۵صدرِپاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت ،ٹریبونل یا دیگر ہیئتِ مجاز کی دی ہوئی سزا ،بشمول سزائے موت ،کو معاف ،کم ملتوی ،معطل یا تبدیل کردے[1]

یعنی یہ دستور ایک ایسا دین پیش کرتا ہے جس میں حاکمِ اعلیٰ سربراہِ ریاست ہے ،نہ کہ مالکِ کائنات!اس

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:
President's power to grant pardon, etc.
45. The President shall have power to grant pardon, reprieve and respite, and to remit, suspend or commute any sentence passed by any court, tribunal or other authority. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.-THE PRESIDENT, Article 45].

دستوری دفعہ پرپاکستان کے قانونی حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی ہے،خصوصاًجب دسمبر ۱۹۸۸ء میں صدرِ پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے تمام فیصلوں کو عمر قید میں تبدیل کرڈالا۔[1]

صدر کا یہ دستو ری حق شریعت سے صراحتاً متصادم ہے۔شریعت تو یہ حق صرف مقتول کے ورثاء کو دیتی ہے کہ وہ قصاص لیں یا قصاص کی جگہ دیت قبول کرلیں یا مطلق طورپر معاف کریں۔۱۹۸۸ء میں اٹھنے والی یہ قانونی بحث آہستہ آہستہ زورپکڑتی گئی یہاں تک کہ ساری توجہ ان دستوری دفعات پر مرکوز ہوگئی جو قوانینِ پاکستان کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔اب اساسی سوال یہ بن گیا کہ کیا یہ دفعات صرف ہدایات اور مشوروں کا درجہ رکھتی ہیں جن پر عمل ضروری نہیں یا یہ ایسے احکامات واوامر ہیں جن پر عمل بھی لازم ہے؟کیا یہ دفعات دستور سے بالاتر کوئی حیثیت رکھتی ہیں؟یا یہ سرے سے دستور کا جزوہی نہیں؟

یہ بحث ۱۹۹۲ء تک جاری رہی ،یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنا کر یہ بحث ہی ختم کردی ۔سپریم کورٹ نے کہا کہ عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بنا پر غلط قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے متجاوز ہے۔نیز یہ کہ دستور کی دفعہ ۲الف عدالتوں کومخاطب نہیں کرتی ،وہ تو عوامی نمائندوں کو قانون سازی کے حوالے سے کچھ ہدایات دیتی ہے۔اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر ہم تیسرے باب میں دستور کے دیباچے اور

---

[1] THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 54 to 56 and comments on article 45 p: 115.

دفعہ ۲الف پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے ،ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں تو صرف یہ نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ باجود اس کے دفعہ ۴۵ کے حوالے سے مختلف باہم متعارض عدالتی فیصلے موجود ہیں.........لیکن اس باہمی اختلاف کے باوجود بھی یہ تمام فیصلے ایک امر پر متفق ہیں،یعنی یہ کہ دستورکی دفعہ ۴۵جو صدرِ پاکستان کو ہر قسم کی سزا معاف کرنے کا اختیار دیتی ہے،اسلامی شریعت سے متعارض و متصادم ہے۔

چوتھا تضاد

قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی،اورمسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لیے عائد کی گئی ہے

(الف)اسلام میں قاضی کے لیے مسلمان ہونا اور عادل ہونا شرط ہے

اس بات پر تمام فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ قاضی بننے کے لئے مسلمان ہونا اور پھر عادل ہونا شرط ہے۔امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فصل:وأما بيان من يصلح للقضاء فنقول:الصلاحية لقضاء لها شرائط منها العقل، ومنها البلوغ،ومنها الاسلإم،ومنها الحرية،ومنها البصر،ومنها النطق،ومنها سلامة عن حد القذف،لما قلنا في الشهادة،فلا يجوز تقليد المجنون والصبي،والكافر والعبد والأعمى والأخرس والمحدود في القذف؛ لأن القضاء من باب الولايات۔وهي الشهادة۔فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى"۔

"رہا یہ معاملہ کہ کون شخص قاضی بننے کا اہل ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس منصب کا اہل ہونے کے لیے انسان میں کچھ شرائط کاپایا جانا لازم ہے۔مثلاً اس کا عاقل،بالغ،مسلمان،آزاد،بینا،متکلم اور حدِ قذف سے پاک ہونا(یعنی عادل ہونا)۔یہ شرائط عائدکرنے کے اسباب ہم گواہی کے باب میں ذکر کرچکے ہیں۔ان شرائط کی رو سے کسی پاگل، نابالغ بچے،کافر،غلام ،اندھے،بہرے یا حدِ قذف میں سزایافتہ شخص کوقاضی بنانا جائز نہیں۔کیونکہ قضاء بھی ایک طرح کی ذمہ داری ہے،بلکہ عظیم ترین ذمہ داری ہے،جبکہ مذکورہ لوگ تو گواہی جیسی چھوٹی سی ذمہ داری بھی ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔پس اس ذمہ داری کے تو وہ کسی طرح مستحق ہوہی نہیں سکتے "۔[1]

(ب)دستورِ پاکستان میں مسلمان ہونے کی شرط محض شرعی عدالتوں کے قاضیوں کے لیے ہے

پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت مرافعہ بنچ کے قاضیوں کے لیے

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب آداب القاضی،فصل فی بیان من یصلح للقضاء ۳/۷

مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے۔ باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لئے دستور ایسی کوئی شر ط نہیں عائد کرتا ہے۔جب کہ عادل (یعنی پابندِ شریعت)ہونے کی شرط تو وفاقی شرعی عدالت سمیت کسی بھی عدالت کے لئے نہیں عائد کی گئی ۔گویا پاکستان میں کسی چھوٹی سی عدالت سے لے کر عدالتِ عظمیٰ تک کا قاضی بننے کے لئے ،حتی کہ 'چیف جسٹس'بننے کے لئے بھی نہ تو مسلمان ہونا شرط ہے ،نہ ہی حدِ قذف سے پاک ہونا۔[1]

---

[1] چیف جسٹس سمیت سپریم کورٹ کے جج حضرات کی شراط جاننے کےلئے دفعہ ۱۷۷ کی شق ۲ دیکھئے جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of Supreme Court Judges
177..................................

(2) A person shall not be appointed a Judge of the Supreme Court unless he is a citizen
of Pakistan and-
(a) has for a period of, or for periods aggregating, not less than five years been a judge of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before
the commencing day); or
(b) has for a period of, or for periods aggregating, not less than fifteen years been an advocate of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day). [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 177].

ہائی کورٹ کے ججوں کی شرائط کے لیے دفعہ ۱۹۳ کی شق ۲ دیکھئے۔ جس کی اصل عبارت یہ ہے:

Appointment of High Court Judges
193..................................

(2) A person shall not be appointed a Judge of a High Court unless he is a citizen of
Pakistan, is not less than forty-five years of age, and
(a) he has for a period of, or for periods aggregating, not less than ten years been an
advocate of a High Court (including a High Court which existed in Pakistan at any time before the commencing day); or
(b) he is, and has for a period of not less than ten years been, a member of a civil service prescribed by lawfor the purposes of this paragraph, and has, for a period of not less than three year, served as or exercised the functions of a District Judge in Pakistan;

یہ دونوں شرائط نہ ہونے کے سبب کفار اور فساق کو قاضی مقرر کرنا آئینِ پاکستان کی رو سے جائز ہے۔[2] جب کہ شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ چنانچہ اس دستور نے نہ صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا،بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا درجہ دے کر اللہ کے حرام کردہ امر کو مباح یعنی حلال ٹھہرایا۔گویا یہ دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے اور حکمِ الٰہی سے متصادم قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے۔پہلی فصل کے دوسرے باب میں اس حوالے سے تفصیلی بحث گزرچکی ہے۔

مستشار علی جریشہ فرماتے ہیں:

إن من العدل عن شرع اللّٰہ إلی شرع غیرہ فقد عدل بشرع اللّٰہ شرعاً آخر،ومن ثم عدل باللّٰہ آلهة وأرباباً آخرین،لإن الشرع ابتداءً خالص حق اللّٰہ باعتبارہ من خصائص الربوبیة والألوهیة،کذلک من لم یعدل عن شرع اللّٰہ کلہ ولکنہ عدَّل فیہ... لأنہ لا یملک ذلک إلا سلطة فی نفس المستوی أو سلطة أعلی،فمن فعل ذلک فقد جعل من نفسہ نداً للّٰہ،تعالی اللّٰہ عن ذلک علواً کبیراً .

والتحریم والتحلیل اللذان أشارت إلیهما الآیة الکریمة یتخذ صورة العدول أو التعدیل،فمن عدل عن تحریم الخمر إلی إباحتها فقد أحل ما حرم اللّٰہ ووقع فی الکفروالشرک،وکما یکون العدول صریحاً بأن یقال عن الحرام حلال،فإنہ یکون کذلک ضمیناً بتغیر و صرف الحکم من الحرام إلی الحلال،ففي مثل الخمر جاء تحریمها بالنص والإجماع،فإذا جاءت نصوص وضعیة خالیة من العقاب فقد غیرت

---

or
(c) he has, for a period of not less than ten years, held a judicial office in Pakistan. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 193].

[2] اسی کے نتیجے میں بھگوان داس کیلئے سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بننا ممکن ہوا۔(مترجم)

وصـف الحكم وجعلته مباحـاً،<u>والمبـاح أحـد أقسـام الحلال</u>،ومن ثم فانها تكون قدأحلت ما حرم اللّٰه... وإذا جـاءت نصـوص وضـعية خاليـة من النص على العقاب عليه ولو في بعض الأحوال فإنها تكـون قـد أباحته في هذه الحالات أي تكون قد أحلت ما حرم اللّٰه،وهذه صـورة من صـورالعدل.........أمـا صـور التعـديل فـإن الحكم يبقى على وصـفه الأصلي،فلا ينقلب من الحـــرام إلى الحلال، ولكن مثلاً يجـــرى التعـديل في العقوبـة، الـتى وضـعها اللّٰه سـبحانه للفعل،كأن يحتفظ بـالنص بتحـريم الفعـل ويحـرمه ولكن يعـدل العقوبـة المقـررة له شـرعاً،ويجعـل الحبس بدلاً من الجلد أو الرجم،ويمكن أن يقال إن مثل تلـک النصـوص الوضـعية التي تتضـمن تعـديلاً في الحكم الشرعي تتضمن كذلک عـدولاً،إن وضـع عقوبة مكان أخرى عدول عن العقوبة الأصلية التي شرعها الشارع الحكيم علاجاً للداء، وهـو أعلم بمن خلـــق وهواللطيـــف الخبـــير،وعلى ذلـــک فالعـــدول والتعـديل هـو من قبيـل التحليـل والتحـريم ،الذي دمغه القرآن بالكفر والشـرک.........وتلـک أقصـى صور عدم الشرعية''.

''جس کسـی نے اللہ کی شـریعت کـو چھـوڑ کـر کوئی دوسرا قانون اختیار کیا تـو گویـا اس نے اس خودسـاختہ قـانون کـو شـریعتِ الٰہیہ کے برابـر ٹھہرایــااور دیگــر خودســاختہ خــداؤں کــو اللہ کےمسـاوی گردانـا۔انسـانوں کے لیے قـانون بنانـا توربوبیت اور الوہیت کا خاصـہ ہے اور اسـی لئے یہ محض اللہ جل جلالہ کـا حـق ہے کہ وہ قـانون سازی کرے۔اسی طرح اس شـخص کـا جـرم بھی کچھ کم سنگین نہیں جو شریعتِ الٰہی کو بالکلیہ تــو تــرک نہیں کرتـا لیکن اس شــریعت میں من مــانی ترمیمــات کرتــاہے۔اللہ کی شــریعت میں تـرمیم کـا حـق تـو اسـی کـو ہوسـکتا ہے جـو

(نعوذباللہ)اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر اختیارات رکھتا ہو۔پس جو کوئی بھی ایسا کرے (یعنی شریعت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے یا شریعت میں من مانی ترمیمات کرے)تو گویا اس نے خود کو اللہ کا ہمسر بنانے کی کوشش کی ،اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند وبرتر ہے۔

قرآنی آیات جب اللہ کے حرام کردہ کو حلال اور اس کے حلال کردہ کو حرام ٹھہرانے والوں کی مذمت کرتی ہیں ،تو وہاں ان دونوں قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے :

.........وہ جو حکمِ شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالیں (عدول)

.........اور وہ بھی جو حکمِ شریعت میں ترمیم کریں(تعدیل)

مثلاً جس شخص نے شراب کو حرام کرنے کی بجائے مباح قرار دیا تو گویا اس نے اللہ کے حکم کو حرام سے بدل کر حلال میں تبدیل کردیا اور یوں وہ صریح کفر وشرک کا مرتکب ہوا۔پھر جس طرح یہ ممکن ہے کہ حرام کو سیدھا سیدھا حلال قرار دے کر پورا حکم ہی بدل دیا جائے ،اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس حکم میں بعض ضمنی تبدیلیوں سے حرمت کو حلت میں تبدیل کردیا جائے ۔مثلا شراب کی حرمت نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہے ۔پس اب اگر خود سے کوئی قانون بنایا جائے جس میں شراب نوشی (کو صراحتاً حلال تو نہ کہاجائے لیکن اس)پر کوئی سزا مقرر نہ ہو تو یہ شراب کو مباح قرار دینے ہی کے مترادف ہے ،اورمباح بھی حلال کی ایک قسم ہے ۔الغرض اس تبدیلی کا نتیجہ بھی وہی نکلے گا کہ اللہ کا حرام کردہ امر حلال ٹھہرے گا۔اسی طرح اگر کوئی خودساختہ

قانون بعض مخصوص شخصیات کو بعض مخصوص حالات میں شراب نوشی کی سزا سے مستثنیٰ رکھتا ہے ،تو گویا وہ شراب نوشی کو ان مخصوص حالات میں مباح قرار دیتا ہے۔یعنی دوسرے لفظوں میں وہ ان مخصوص حالات میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہراتا ہے ۔ پس یہ سب صورتیں حکمِ شریعت کو مکمل طور پر کسی دوسرے قانون سے بدل ڈالنے (یعنی عدول)میں داخل ہیں.........

جبکہ دوسری صورت (یعنی تعدیل)یہ ہے کہ اصل حکم تو اپنی جگہ باقی رکھا جائے ،حرام کو حلال نہ کہا جائے ،لیکن اللہ نے اس جرم پر جو سزا مقرر کی ہے اس میں ترمیم کردی جائے ۔ مثلاًکسی فعل کو حرام تو کہا جائے اور اس فعل کے مرتکب کو سزابھی دی جائے ،لیکن جو سزا شریعت نے مقرر کی ہے ....مثلاًکوڑے یاسنگساری.........اس میں ترمیم کرکے اسے سزائے قید میں بدل دیا جائے۔

یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ایسے خودساختہ قوانین جو حکمِ شرعی میں ترمیم (یعنی تعدیل)کرتے ہوں،دراصل حکمِ شرعی کوکسی دوسرے قانون سے بالکلیہ بدل ڈالنے (یعنی عدول)ہی کے مترادف ہیں ۔جب ربِ حکیم نے،جو اپنی مخلوق سے خوب آگاہ اور باریک بیں وباخبر ہے ،ایک بیماری کے علاج کے طور پر ایک شرعی سزامقرر کررکھی ہے تو اسے کسی دوسری سزا سے بدل دینا ایک طرح کا 'عدول'ہی ہے۔لہٰذا یہ'عدول'و 'تعدیل'(یعنی حکمِ شرعی کوبالکلیہ بدل دینا یااس میں جزوی ترمیم کرنا)دونوں ہی اللہ کی رہنمائی سے آزاد ہوکرچیزوں کو حلال وحرام قرار دینے میں داخل ہیں ؛اور یہ وہ عظیم جرم ہے جسے قرآن نے

کفر وشرک قرار دے کر ملیا میٹ کرنے کا حکم دیا ہے.........اور بلاشبہ یہ مخالفتِ شرع کی انتہائی صورتیں ہیں''۔[1]

پانچواں تضاد

سربراہِ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ ۴۱ وہ شرط ذکر کرتی ہے جن کا سربراہِ ریاست میں پایا جانا لازم ہے۔ان شروط میں سربراہِ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں[2] حالانکہ اس شرط پر تو تمام علماء کا اجماع ہے۔

---

[1] اصول الشرعية الاسلامية للمستشار على جريشہ ۲۲/۱:۲۳ نقلتها عن كلمة حق للشيخ عمر عبدالرحمن ص:۳۷،۳۶

[2] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:

The President
41...........................
(2) A person shall not be qualified for election as President unless he is a Muslim of not less than forty-five years of age and is qualified to be elected as member of the National Assembly. [PART III The Federation of Pakistan, CHAPTER 1.- THE PRESIDENT, Article 41].

یہ افسوسناک واقعہ تو سبھی کو یاد ہوگا کہ پاکستان کی ایک بہت بڑی دینی جماعت کے قائد نے بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر کہا تھا کہ:''شریعت نہ تو نماز میں عورت کی امامت کو جائز قرار دیتی ہے ،نہ ہی ملکی معاملات میں عورت کی امامت کو درست جانتی ہے،لیکن جب عوام نے ایک عورت کو وزارتِ عظمیٰ کے لئے منتخب کرہی لیا تو ہمیں اس عوامی رائے کا احترام کرنا چاہیے''۔

یہ مؤقف پاکستان کی متعدد دینی تنظیموں کے عمومی کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ان تنظیموں کے مؤقف کسی مضبوط شرعی بنیاد پر قائم ہونے کی بجائے موم کے پتلے کی طرح پاکستانی سیاست،دستور وقانون اور عوامی مسائل کے مطابق ڈھلتے اور بدلتے رہتے ہیں۔اسی رویے کا نتیجہ ہے کہ یہ تنظیمیں خود اپنے ہی بنیادی اصول اور عقائد کی پابندی نہیں کرپاتیں ۔چنانچہ پاکستان کی غالب اکثریت بھی انہیں احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتی ۔یہ جماعتیں نہ تو امت کی قیادت سنبھالنے کی اہل ہیں ،نہ ہی یہ پاکستان پر مسلط کردہ صلیبی جنگ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

نیز یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ فیصلہ کرنا انتخابی الیکشن کمیشن کا کام ہے کہ کون انتخابات میں شرکت کا اہل ہے اورکون نہیں ۔پس جب انتخابی کمیشن ایک مرتبہ یہ اعلان کردے کہ فلاں شخص درست طریقے سے سربراہ منتخب ہوچکا ہے تو پھر کسی بھی عدالت یا ہیئتِ مجاز کے ذریعے سے اس کی اہلیت کو مشکوک بنانا ممکن ہی نہیں رہتا[1]۔اور انتخابی کمیشن کے ارکان کے لیے دستور نہ تو مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے ،نہ ہی عادل(یعنی پابندِ

[1] THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary P: 112.

شرع) ہونے کی شرط ہے پس جو لوگ خوددین وشریعت سے آزاد ہوں ، وہ کیسے دوسروں کے مسلمان یا عادل ہونے کا فیصلہ کرسکتے ہیں؟

چھٹا تضاد

ہر اس شخص کوسزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو

دستور کی دفعہ ۱۲ کہتی ہے کہ 'مؤثر بہ ماضی'سزادینا جائزنہیں ہےیعنی اگر ایک شخص نے کسی فعل کا ارتکاب اس وقت کیا جبکہ نہ تو قانون میں اسے

جرم قراردیا گیا تھا ،نہ ہی اس پر کوئی سزا مقرر تھی ....تو اسے بعد میں سزانہیں دی جاسکتی ۔اسی طرح اگر اس وقت کوئی سزا مقرر تھی تو اس مقرر سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا یا اس سے بڑی سزا بھی نہیں دی جاسکتی تھی۔[1]

(الف)گویا اگر کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہواور اسے عدالت میں پیش کرکے شرعی طریقۂ کار کے مطابق اس کا مجرم ہونا ثابت بھی کردیاجائے ....تب بھی اسے سزا نہیں دی جاسکتی یہاں تک کہ یہ ثابت نہ کردیا جائے کہ جرم کے ارتکاب کے وقت یہ فعل پاکستانی قانون میں جرم بھی تھا۔بلاشبہ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک باطل اصول ہے کیونکہ اس کے مطابق:

(۱)شرعی احکامات اس وقت تک واجب العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان یا سربراہِ ریاست ضابطے کی کاروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون نہ قرار دے۔گویا اللہ کی نازل کردہ شریعت ان کے نزدیک واجب الاتباع شریعت ہی نہیں کیونکہ ان کی قانون ساز مجلس (پارلیمان)نے اسے منظور نہیں کیا۔

دستورِ پاکستان کا یہ اصول شرعاً بالکل باطل ہے۔ اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی

---

[1] اس دفعہ کی اصل عبارت یہ ہے:
Protection against retrospective punishment
12. (1) No law shall authorize the punishment of a person-
(a) for an act or omission that was not punishable by law at the time of the act or omission; or
(b) for an offence by a penalty greater than, or of a kind different from, the penalty prescribed by law for that offence at the time the offence was committed.
(2) Nothing in clause (1) or in Article 270 shall apply to any law making acts of abrogation or subversion of a Constitution in force in Pakistan at any time since the twenty-third day of March, one thousand nine hundred and fifty-six, an offence. [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 1. - FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 12].

عطاء کردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادر ہونے والے قوانین دو مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تضاد ہے۔رب کی نازل کردہ شریعت توکسی انسانی پارلیمان سے منظوری کی محتاج نہیں ہے، تو اسی وقت واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امت تک پہنچایا۔کوئی دنیاوی قانون اس شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے ،شریعتِ الٰہی کی قدر ومنزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا،یہ پاکیزہ شریعت تو بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے اور واجب العمل ہے ،چودہ سو سال اسلامی سلطنتوں میں عملاً نافذ رہی اور شرعی قاضی اسی کے مطابق ان چودہ صدیوں میں فیصلے کرتے آئے ہیں۔[1]

دفعہ ۱۲ میں بیان کردہ اس اصول کے مطابق لوگوں پر حجت اس وقت قائم ہوتی ہے جب پاکستانی قانون کوئی باقاعدہ فرمان جاری کرے،حالانکہ یہ حجت تو دراصل چودہ سو سال قبل ہی قائم ہوگئی تھی جب یہ شریعت آسمانوں سے نازل ہوئی تھی ۔اب تو اس کے بنیادی احکامات مثلاً شراب، زنااور چوری وغیرہ کی حرمت سب ہی کو معلوم ہے، کوئی بھی اس سے لاعلمی کا عذر نہیں پیش کرسکتا۔

[1] اسی طرح کی ایک کوشش کے ذریعے مصر کی اعلیٰ دستوری عدالت نے بھی دستور کی دفعہ ۲ کی تطبیق سے راہِ فرار اختیار کی جس میں کہاگیا ہے کہ ''شریعتِ اسلامیہ کے اصول ومبادی ہی قانون سازی کا ماخذ ہیں''۔عدالت نے کہا کہ اس دفعہ کا اطلاق ان قونین پر نہیں ہوتا جو اس سے قبل صادر ہوئے ہوں،اور چونکہ ملک کے غالب قوانین اس دفعہ کی منظوری سے پہلے بنے ہیں لہٰذا ان پر اس دفعہ کا کوئی اطلاق نہ ہوگا۔ دیکھئے:مرکز الدراسات السیاسیة والاستراتیجیة بالاھرام؛التقریر الاستراتیجی العربی لسنة ۱۹۹۳ ص ۳۳۲، القاھرہ ۱۹۹۴، الحکم رقم (۲) لسنة۴۱ فضائیة (دستوریة) الصدار فی ۳ابریل ۱۹۹۳م۔

(۳)یہ اصول شرعی اور غیر شرعی سزاؤں میں تفریق کئے بغیر یہ عمومی قاعدہ دیتا ہے کہ نہ تو'مؤثر بہ ماضی'سزا دی جاسکتی ہے،نہ ہی جرم کے ارتکاب کے وقت قانون میں جو سزا مقرر تھی اس سے مختلف کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔گویا اگر جرم کے ارتکاب کے قانون میں کوئی غیر شرعی سزامقرر تھی تو اب اسے تبدیل کرکے شرعی سزا دینا ممکن نہیں۔پس یہیں سے اس بات کا دروازہ کھلتا ہے کہ غیر شرعی سزائیں ،شرعی سزاؤں کا متبادل قرار پائیں۔شریعت تو غیر اسلامی سزاؤں کو لائق اعتبار نہیں سمجھتی لہٰذا یہ اصول شرعاً ناقابلِ قبول ہے۔

(۴)اس دستوری دفعہ سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ ریاستِ پاکستان میں اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ نہیں ،انسان ہیں؛کیونکہ اللہ کے حکم کو بھی یہ دستور تبھی تسلیم کرتا ہے جب ارکانِ پارلیمان اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردیں ۔اللہ رب العزت تو اپنی کتابِ مقدس میں انتہائی تاکید کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ قانون بنانے اور حکم دینے کا حق صرف اسی کی ذاتِ بالاصفات کوحاصل ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِنِّي عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ﴾ (الأنعام:۵۷۵۷)

''آپ کہہ دیجئے !میں تو اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر قائم ہوں جبکہ تم اسے جھٹلاتے ہو، جس چیز (عذاب)کے لئے تم جلدی کررہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے،حکم تو اللہ ہی کے لئے خاص ہے ،وہ حق بیان کرتاہے ،او روہ بہترین فیصلہ کرنے والاہے''۔

اور فرمایا:

ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلاهُمُ الْحَقِّ أَلا لَـهُ الْحُكْمُ وَهُـوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ(الأنعام:٦٢)٢
''پھر (قیامت ک دن لـوگ)اپـن مالـک حقیقی الل تعـالیٰ کی طـرف لوٹـائ جـائیں گ سـن لـو ک حکم اسـی ک لـئ خـاص ،اور و نایت جلـد حساب لین والا ''۔

اور فرمایا:
مَـا تَعْبُـدُونَ مِنْ دُونِـهِ إِلا أَسْـمَاءً سَـمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَـا مِنْ سُـلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلا لِلَّهِ أَمَـرَ أَلا تَعْبُـدُوا إِلا إِيَّاهُ ذَلِـكَ الـدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ (یوسف:٤٠)
''اس (الل)کـ سوا تم جن کی عبادت کرت وو تو صرف نـام ی یں جـو تم ن اور تمار بـاپ دادان رکھ لـی یں،الل ن ان (ک حـق ون)پـر کوئی سندنازل نیں کی(ی سن رکھـو ک)الل ک سوا کسی کی حکـومت نیں،اس ن حکم دیـا ک اس ک سـوا کسـی کی عبـادت ن کـرو،یی سیدھامسـتحکم دین ،لیکن اکـثر لـوگ نیں جانت''۔

اورفرمایا:
وَقَالَ يَا بَنِيَّ لا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِـدٍ وَادْخُلُـوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَـةٍ وَمَـا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَـيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلا لِلَّهِ عَلَيْـهِ تَـوَكَّلْتُ وَعَلَيْـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (یوسف:٦٧)
''اور(یعقـوب علی السـلام ن)فرمایـا:ا بیٹـو!(شرمیں)ایک ی دروازـ س داخل ن ونا بلک جداجـدادروازوں سـ داخـل ونـا،اور میں تمیں الل کی تقدیر س تونیں بچاسکتا،حکم تـو اسـی ک لئ خاص ،میں اسی پر بھروس کرتـا وں اورلِ توکـل کـو صـرف اسـی پـر بھروسـ کرنـا چایَ''۔

اورفرمایا:

﴿وَهُوَ اللَّهُ لا إِلَهَ إِلا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الأولَى وَالآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (القصص:۷۰)

''اور وہ اللہ ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں،دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کاحکم،اوراسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے ''۔

اورفرمایا:

﴿وَلا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لا إِلَهَ إِلا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (القصص: ۸۸۸۸)

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو،اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے،اسی کاحکم ہے ،اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے''۔

اورفرمایا:

﴿ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ﴾(غافر:۱۲)

''یہ اس لیے ہے کہ جب تنہا اللہ کو پکاراجاتا ہے تو تم قبول کرنے سے انکارکردیتے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے،پس حکم تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے،جو (سب سے)بلند اور (سب سے)بڑا ہے۔''

لیکن ان تمام آیات کے علی الرغم پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکان پارلیمان کو حاصل ہے ،جب چاہیں کسی حکم کو قانون کی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج کردیں ۔ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے ذیل میں یہ بات پوری طرح واضح ہوگی کہ 'مؤثر بہ ماضی'سزا نہ دینے کے اصول کتنے خطرناک نتائج کا حامل ہے اور کس

صفائی کے ساتھ یہ اصول احکاماتِ شریعت سے چھٹکارا پانے ،انہیں معطل کرنے اور سودی نظام جاری رکھنے کے لئے استعمال کیاجاتا ہے۔

(ب)یہ دستور لکھنے والوں کو اس بات پر حیاتک نہ آئی کہ انہوں نے (۲۳مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد)دستورِ پاکستان کی مخالفت کرنے والے کو تو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کا مستحق گردانا ،لیکن شریعتِ رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ مالک الملک کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد

آئینِ پاکستان ایک جرم پر دومرتبہ سزا دینے سے مطلقاً منع کرتا ہے

دستور کی دفعہ ۱۳ایک جرم پر دومرتبہ سزا دینے سے منع کرتی ہے۔[1]

شریعت کے پیمانے سے یہ اصول تبھی درست ہوسکتا ہے جب اس جرم پر پہلی مرتبہ دی گئی سزا شریعت کے مطابق ہو۔البتہ اگر پہلی سزا ہی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔مثلاً اگر کوئی شخص چوری،زنایا قتل کے جرم کامرتکب ہو اور پھر پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزادیں یا

---

[1] اصل عبارت یہ ہے:
Protection against double punishment and self incrimination
13. No person-
(a) shall be prosecuted or punished for the same offence more than once; [PART Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 1. - FUNDAMENTAL RIGHTS, Article 13].

پھر صدرِ پاکستان اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کی سزا میں تخفیف کردے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ اس پر شرعی سزا قائم کرسکے ....اور یقیناً یہ امر شرعاً ناقابل قبول ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزا کی قائل بھی نہیں ،یہ عدالتیں کسی بھی سزاکو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک کہ وہ پاکستانی قانون میں مدوّن نہ ہو.........جس کا عملی نتیجہ ایک مثال کے ذریعے سمجھاجاسکتا ہے ۔فرض کیجئے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا ملزم پیش کیاجاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جاچکی ہے.........تو اگرچہ دفعہ ۱۳کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے ....لیکن پاکستانی عدالت اسے پھر بھی دوبارہ سزا دے گی الایہ کہ پہلےدی گئی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوئی ہو۔

بلکہ امریکہ سمیت کئی ممالک کا طریقہ کار تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے قانون کی نگاہ میں جرم کا مرتکب ہو اور اسے اس جرم کی سزا پاکستان میں دی جاچکی ہو.........تو وہ اس سزا کو معتبر نہیں سمجھتے اور دوبارہ خود سے سزا دیتے ہیں۔اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جن فلسطینیوں نے ۸۰ کی دہائی میں 'پان امریکی'طیارہ اغواء کیا تھا امریکہ نے ان کی اس طویل قید کو شمار نہیں کیا تھا جوانہوں نے پاکستانی جیلوں میں کاٹی تھی اور اس طویل سزا کے بعد پاکستان کی رذیل حکومت نے ان فلسطینیوں کو امریکہ کے حوالے کردیاتھا تاکہ امریکہ انہیں از سرِ نو سزا دے۔

آٹھواں تضاد

سود کے حوالے سے دستور کا مؤقف

دستور کی دفعہ ۳۸اس بات کی تائید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی معاشرتی فلاح وبہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا۔[1]

(الف)یہ عبارت مستقبل کے لئے ایک وعدہ تھا جو کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی پورا نہیں ہوسکا۔

---

[1] اصل عبارت یہ ہے:

Promotion of social and economic well being of the people
38. The State shall-
....
(f) eliminate riba as early as possible. [PART II, Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 38].

اس وعدے کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کروں گا.........توکیا محض ایک زبانی وعدے پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلاسکتا ہے؟

(ب)علاوہ ازیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون سازقوت کی حامل نہیں ،نہ ہی عدالتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے ....اس کی حیثیت تو ایک وعدے سے بڑھ کر کچھ نہیں ۔اسی لئے وکیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ:

''دفعہ ۲۹سے دفعہ ۴۰ تک کے احکامات صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں(نہ کہ نافذالعمل قوانین کی)۔لہٰذا نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کرسکتی ہے،نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاًنافذ کرسکتی ہے ۔البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزو کے طور پر بعض دیگر اغراض کے لئے اپنے دائرہ اختصاص میں داخل سمجھتی سکتی ہیں۔مثلاً دستور کی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لئے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے۔''[1]

(ج) اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں سود پاکستان میں عملاً وقانوناً جاری وساری ہے۔ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت پر بحث کے دوران اس کی کچھ مزید مثالیں سامنے آجائیں گی۔

(د) ممکن ہے کہ یہاں کوئی یہ اعتراض اٹھائے کہ :سود ی لین دین تو ایک بین الاقوامی حقیقت ہے اور اس سے یکبارگی چھٹکارا پاناناممکن نظرآتا ہے،لہٰذا

[1] THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY P: 108.

مجبوراً اس بتدریج ی ترک کرناوگااس اشکال کا جواب ی ک:

(۱) پلی بات تو ی ک اعتراض میں جس 'مجبوری'اور 'تدریج' کا ذکر ،دفع ۳۸ کی عبارت میں اس کا کوئی تذکر نیں

(۲)پھر اگر بین الاقوامی معاملات میں ی'مجبوری'تسلیم کربھی لی جائ ،توپاکستان ک اندر داخلی معاملات میں تو ایسی کسی مجبوری کا وجود نیں

(۳) اگر ایک لمح ک لئ خود پاکستان ک اندر بھی 'مجبوری' کا وجود فرض کرلیا جائ تب بھی ی ط کرنا ک ی مجبوری واقعتاً کاں کاں پائی جاتی ،اضطرار کسی غیر شرعی لین دین میں اترن کی حدود وقیود کیا یں اور اس اضطراری کیفیت س چھٹکارا پان کی کیا صورتیں ممکن یں ....علمائ شریعت کاکام ،جبک مذکور دفع میں ایسی کسی بات کا تذکر سر س موجود ی نیں

(۴)دفع ۳۸کی ی عبارت ۱۹۵۶ء ک دستور میں بھی موجود تھی[1]آج پچاس سال س زائد عرص گذرجان ک باوجود بھی ی وعد وفانیں وسکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلتا چلا جارا م دستور پاکستان ک اسلامی عناصر پر بحث ک دوران مشاد کریں گ ک شریعت ک نفاذ اور قوانینِ پاکستان کو خلافِ شرع امور س پاک کرن کا وعد بھی ۱۹۵۶ء ک دستور میں درج تھا اور ی وعد بھی محض وعد ی را ،وفا کی نوبت ابھی تک نیں آئی

---

[1] THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

باب سوم

دستورکے بیان کردہ وسائل شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں

پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیتِ شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلافِ شرع امور سے پاک کرنے کی ہدایت دیتی ہیں ،لیکن یہ تمام

عبارتیں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے اتنی کمزور وبے وزن ہیں کہ ان کے ذریعے شریعت الٰہیہ کی حاکمیت قائم ہونا محال ہے،بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلافِ شرع دفعات ختم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

اس باب میں دستور کی ایسی ہی متعدد عبارتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔میں نے اس بحث کو پانچ فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱)پہلی فصل :دستور کا دیباچہ 'قراردادِ مقاصد '،دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

(۲)دوسری فصل:دفعہ ۳۱

(۳)تیسری فصل:دفعہ ۳۸

(۴)چوتھی فصل :وفاقی شرعی عدالت،دستور کا حصہ ہفتم،باب ۳ الف

(۵)پانچویں فصل:دستور کا حصہ نہم ،اسلامی احکام (دفعہ ۲۲۷تا دفعہ ۲۳۱)

پہلی فصل

دستورکا دیباچہ 'قراردادِ مقاصد'،دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف

۱۔دستورِ پاکستان کے دیباچے میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

''یہ بات اظہرمن الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار واختیار بھی اللہ

کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے،وہ ایک مقدس امانت ہے۔

.........جمہوریت ،آزادی،مساوات،رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر،جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے،پوری طرح عمل کیاجائے گا۔

مسلمانوں کو انفرادی ،ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایاجائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآنِ پاک اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات،تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشاء ترتیب دے سکیں ۔

.........لہٰذا ہم،عوامِ پاکستان ،اس قادرِ مطلق رب تبارک وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ

پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ

بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر ایک جمہوری ریاست ہوگی

جمہوریت کی حفاطت کا عزمِ مصمم لیے جو ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے.........

حقائقِ مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کرکے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں''۔[1]

[1] اصل عبارت یوں ہے:

ان عبارتوں پر بحث کرنے سے قبل میں اس امر کی وضاحت کرتا چلوں کہ دستورِ پاکستان کے اس دیباچے کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستورسازمجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قراردادکی صورت میں منظور کیا یہ قرارداد ''قراردادِمقاصد ''کے نام سے جانی جاتی ہے۔[1]

یہ قراردادِمقاصد پہلے ۱۹۵۶ء کے دستور میں دیباچے کے طور پر شامل کی گئی،پھر ۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی اسے دیباچہ قراردیا گیا اور اپریل ۱۹۷۲ء کے ہنگامی دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیباچے کی حیثیت دی گئی۔[2]

Whereas sovereignty over the entire Universe belongs to Almighty Allah alone, and the authority to be exercised by the people of Pakistan within the limits prescribed by Him is a sacred trust;

....

Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance and social justice, as enunciated by Islam, shall be fully observed; Wherein the Muslims shall be enabled to order their lives in the individual and collective spheres in accordance with the teachings and requirements of Islam as set out in the Holy Quran and Sunnah;

....

Now, therefore, we, the people of Pakistan;
Conscious of our responsibility before Almighty Allah and men;

....

Faithful to the declaration made by the Founder of Pakistan, Quaid-i- Azam Mohammad Ali Jinnah, that Pakistan would be a democratic State based on Islamic principles of social justice; Dedicated to the preservation of democracy achieved by the unremitting struggle of the people against oppression and tyranny. [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, 1973, Preamble].

[1] OBJECTIVE RESOLUTION

[2] اصل عبارت یوں ہے:
THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 52.

پھر دفعہ ۲ اور دفعہ ۲ الف کے ذریعہ اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنادیا گیا۔ دستور کی دفعہ ۲ کہتی ہے کہ:

"ریاستِ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا"۔

اور دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے کہ :

"قراردادِ مقاصد، جسے دستور کے ساتھ بطور ضمیمہ بھی ملحق کیا گیا ہے، میں درج اصول واحکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو بعینہٖ من وعن مؤثر ہوں گے"۔[1]

۲۔ چونکہ دیباچہ اور دفعہ ۲ الف میں باہمی ربط ہے لہٰذا ہم یہاں دیباچہ کے مذکورہ اقتباسات کے ساتھ ساتھ دفعہ ۲ الف پر بھی تبصرہ کریں گے۔

الف۔ اسلام اور جمہوریت

دیباچہ میں کئی مرتبہ "جمہوریت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) "جمہوریت" کی اصطلاح اسی معروف معنی اور معلوم صفات کی حامل ہے۔ یہ معانی وصفات جمہوریت کا ایسا جزو لاینفک ہیں کہ اگر انہیں اس سے الگ کردیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ کسی طور بھی جمہوریت نہیں کہلائے گا۔ انہی اساسی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قانون سازی اور حکمرانی کا حق عوام کی غالب اکثریت کے پاس ہو اور باقی تمام

---

[1] اصل عبارت یوں ہے:

Islam to be State religion

2. Islam shall be the State religion of Pakistan.

2A. The Objectives Resolution to form part of substantive provisions

2A. The principles and provisions set out in the Objectives Resolution reproduced in the Annex are hereby made substantive part of the Constitution and shall have effect accordingly. [PART I Introductory, Article 2].

اقدار واخلاق اسی بنیاد پر طے ہوں۔پس وہ حرام ہوگاجسے اکثریت حرام کہے اور حلال وہ ہوگا جسے اکثریت حلال قرار دے۔

چنانچہ اس بات کا تو تصور ہی ممکن نہیں کہ جمہوریت کی کوئی ایسی شکل بھی ہوسکتی ہے۔ جس میں حاکمیت اور قانون سازی کا مطلق اختیار عوام کے پاس نہ ہو۔اس کے برعکس کسی ایسے 'اسلام'کا تصور بھی ناممکن ہے۔ جہاں حکمرانی اور قانون سازی کا حق اللہ وحدہ لاشریک کے سوا بھی کسی کو حاصل ہو۔رب کی شریعت میں تو حرام وہ ہوتاہے۔ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ حرام قراردیں اور حلال وہ جسے اللہ حلال ٹھہرائیں۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (الشوریٰ:۲۱)

''کیا یہ لوگ ایسے شریکانِ خدا رکھتے ہیں جنھوں نے ان کے لئے دین کی نوعیت رکھنے والا کوئی ایسا طریقہ مقررکردیا ہے۔ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔اور اگر فیصلے (کے دن)کا وعدہ نہ ہوتا تو (اب تک)ان کا قضیہ چکادیاگیا ہوتا،اور یقیناً ظالموں کے لئے (اس دن)دردناک عذاب ہے۔''۔

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلالا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾ (یونس:۵۹)

''آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھوتو،اللہ نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایاتم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرالیا اور بعض کوحلال ،(ان سے)پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیاہے۔ یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو''۔

لہٰذا اسلام اور جمہوریت کا ملغوبہ بنانا دو ایسے عقائد کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے جو بالکل مختلف بنیادوں سے پھوٹتے ہیں اور یکسر مختلف اثرات ونتائج کے حامل ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام بھی تو باہم مشورے ،حکمرانوں کے محاسبے اور ان کے تصرفات پر نگاہ رکھنے کی دعوت دیتا ہے ،اور یہ امور اسلام اور جمہوریت میں مشترک ہیں.........تواسے کہا جائے گا کہ یوں تو سلام اور عیسائیت کے درمیان بھی کئی امور مشترک ہیں ،دونوں ادیان ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں،عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے کتاب نازل ہوئی،اب خود ہی بتائیے کہ کیا ان مشترکہ امورکو مدنظررکھتے ہوئے اسلام کو ''مسیحی اسلام ''یا عیسائیت کو ''اسلامی عیسائیت''کہنا درست ہوگا؟

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ ہم جمہوریت پوری طرح اختیار کرلیں،بلکہ ہم تو محض اس کی چند چیزیں اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں ،تو میں اس سے پوچھوں گاکہ:

پہلے تو یہ بتلاؤ کہ اسلام اور کفر کا یہ ملغوبہ بنانے اور خالص شرعی اصطلاحات ترک کرکے یہ مبہم اصطلاحات استعمال کرنے سے تمہارا مقصود کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اس سارے جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مبارک شریعت دے کر باقی تمام شرائع اور عقائد سے مستثنیٰ کردیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾(النساء:۱۷۴)

''اے لوگو!تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن)دلیل آچکی ہے اور ہم نے (کفر وضلالت کا اندھیرادور کرنے کیلئے)تمہاری طرف چمکتاہوانور بھیج دیا ہے''۔

اورفرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (٤٨)وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ (٤٩)أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدة:۴۸،۵۰)

''اور (اے پیغمبرعلیہ السلام)ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی اور ان پرنگہبان ہے،پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے،اور جو حق آپ کے پاس آچکااس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے،اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستوراور طریقہ مقررکیا ہے،اور اگراللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنادیتا،لیکن جو حکم اس نے تمہیں دیئے وہ ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے،سو نیک کاموں میں جلدی کرو،تم سب کو اللہ ہی طرف لوٹ کر جانا ہے،پھر جن باتوں میں تم اختلاف

کرتے تھے وہ تمہیں بتلادے گا اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ)ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے اوران سے بچئے کہ کہیں یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکا نہ دیں ۔اب اگر یہ نہ مانیں توجان لیجئے کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے ،اور یقیناً اکثرلوگ توگمراہ ہیں ،(اگر یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے منہ موڑتے ہیں تو)کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں ،اور یقین رکھنے والوں کیلئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے''۔

پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کفرواسلام کو خلط ملط کرنے کا یہ سلسلہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی شروع ہوجاتا ہے ....اور اسی کے نتیجے میں آج ہم بہت ساجدل وفساد دیکھ رہے ہیں اور ہمیں قدم قدم پر خالص اسلامی احکامات وتصورات کی بجائے کفر وشرک اور شرعی مخالفتوں سے آلودہ مفاہیم ومعانی سے واسطہ پڑتا ہے۔

(۲)'جمہوریت' کا تذکرہ کرتے ہوئے دستورِ پاکستان کہتا ہے کہ:

(الف)''.........جمہوریت،آزادی،مساوات،رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں پر،جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے ،پوری طرح عمل کیا جائے گا''۔

نجانے اسلام نے کہاں جمہوریت کاتصور بیان کیا ہے ،جبکہ ہم گزشتہ سطور میں اسلام اور جمہوریت کا صریح تضاد بھی واضح کرچکے ہیں !

(ب)اسی طرح دیباچے میں یہ بھی عبارت ملتی ہے کہ :''پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی''۔

مجھے نہیں معلوم کہ اسلام اور جمہوریت جیسی دومتضاد چیزوں کو ایک ہی جملے میں جمع کرنے سے کیا مقصود ہے؟نیز اس عبارت میں محض اسلام کے ''عدلِ اجتماعی'' کا تذکرہ ہی کیوں گیا ہے،اسلام کے دیگر پہلوؤں :حاکمیت ،اخلاقیات،اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟اسلام تو اس کُل عمارت کا نام ہے ،نہ کہ اس کے چند اجزاء کا!

(ج)دیباچے میں یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ :''(ہم اس)جمہوریت کی حفاظت کا عزمِ مصمم کیے (ہوئے ہیں)جو ظلم واستبداد کے خلاف عَوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے''۔

نجانے اس عبارت کےذریعے یہ 'اسلامی'دستور کس چیز کی حفاظت کا ذمہ لے رہا ہے؟پوری جمہوریت کی حفاظت کا؟اکثریت کے حقِ حکمرانی اور حقِ قانون سازی کے تحفظ کا؟آخر کس بات کا ؟پس یہ بات توبڑے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی حق وباطل کی آمیزش کا اغاز ہوجاتاہے۔

ب۔قراردادِ مقاصد کے اسلامی احکامات

جہاں تک قراردادِ مقاصد میں موجود اسلامی ہدایات واحکامات کا تعلق ہے ،تو ہم عنقریب دیکھ لیں گے کہ ان کی عبارتوں میں ایسا عموم پایاجاتا ہے کہ ان سے کوئی متعین حکم اخذکرنا ممکن نہیں،البتہ کچھ عمومی باتیں شاید اخذ کی جاسکیں۔

(۱)مثلاً یہ عبارت کہ:

''یہ بات اظہرمن الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار واختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا احق حاصل ہے ،وہ ایک مقدس امانت ہے''۔

یہ ایک عمومی سی عبارت ہے جو نہ تو یہ بات صراحتاً کہتی ہے کہ حاکمیتِ اعلیٰ صرف شریعتِ اسلامی کی ہوگی اور نہ ہی اس بات پر دوٹوک دلالت کرتی ہے کہ شرعی احکامات کو ایک ایسے بلند وبرتر مصدر کی حیثیت حاصل ہوگی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابل قبول نہ ہوں گے۔اسی طرح اس عبارت میں تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شرعی احکامات کو عوامی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔

(۲)اسی طرح یہ عبارت کہ:

''مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایاجائے گاکہ وہ اپنی زندگی قرآنِ پاک اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات ،تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشاء ترتیب دے سکیں''۔

یہ بھی محض ایک وعدہ ہے ،جو کہ ساٹھ سال گزرجانے کے بعد بھی پورانہیں ہوسکا۔

(ج)قراردادِ مقاصدکے دیباچۂ دستور ہونے کی حیثیت

قراردادِ مقاصد کو دستور کا دیباچہ بنانے ،یا دفعہ ۲ الف کی بناء پر اسے دستور کا جزو سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی اقتدارِ اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے.........کیونکہ:

اولاً:قراردادِ مقاصد ،دیباچۂ دستور ، دفعۂ ۲ الف اور اس قسم کی دیگر دفعات نے توقانونی حیثیت بھی اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے ۔جبکہ اسلام کی رو سے تو شریعت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اکثریت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر ....بجائے اس کے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں حکم قبول کیا جائے یا رد ۔اقتدارِ اعلیٰ تو ہر صورت میں شریعت کا حق ہے خواہ اکثریت اس پہ راضی ہو یا ناراض۔

ثانیاً:دستور کو رسمی طور پر دستور کی حیثیت تبھی حاصل ہوتی ہے جب عوامی اکثریت یا استصوابِ رائے کے ذریعے یا پھر ارکانِ پارلیمان کے واسطے سے اپنی تائید وموافقت کا اظہار کرے۔یعنی دستور کی پر فریب خوشنما عبارتوں کے باوجود بھی اس جمہوری نظام میں حکمرانی عوام ہی کاحق ہے اور عوامی تائید ہی دستور کو قانونی حیثیت بخشتی ہے ۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا دیباچہ مندرجہ ذیل عبارت پر ختم ہوتا ہے:

> ''(ہم عوامِ پاکستان)حقائقِ مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کرکے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں''۔[1]

اسکے برعکس شریعتِ الٰہی اپنی حاکمیت منوانے کے لئے عوامی منظوری کی محتاج نہیں ۔اس پہ تو مہرِ تصدیق اسی وقت ثبت ہوتی ہے جب یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے زمین پہ نازل ہوتی ہے۔رب کی

---

[1] اصل عبارت یوں ہے:
Now, therefore, we, the people of Pakistan;
....
Do hereby, through our representatives in the National Assembly, adopt, enact and give to ourselves, this Constitution. [THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN, 1973, Preamble].

شریعت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے معلوم کرنا خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾(المائدة:۴۸)

''پس ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے ،اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے روگردانی کرتے ہوئے ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے''۔

اورفرمایا:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ﴾ (المؤمنون:۷۱)

''اوراگرحق ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے تو آسمان وزمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب درہم برہم ہوجائیں''

شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے حوالے سے استصواب یا رائے شماری کرانا شرعاًکسی طور جائزنہیں،البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرناجائز ہے۔لہٰذا ان دونوں باتوں کو باہم خلط ملط نہ کیاجائے۔

ثالثاً:پارلیمان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے،جیسا کہ دستور کی دفعہ۲۳۸اوردفعہ۲۳۹میں صراحتاًمذکور ہے۔ اس حوالے سے ہم پہلے باب میں تفصیلی بات کرچکے ہیں۔پارلیمان کی دوتہائی اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے دیباچے اور دفعہ۲کو دستورسے حذف کردے کیونکہ دستورپارلیمان کے اس حق پر نہ تو کوئی قید عائد کرتاہے ،نہ ہی کوئی شرط،نہ اس پر کوئی نگران ہے اور نہ ہی کوئی محتسب ۔اس

کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار بھی کسی کو حاصل نہیں۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (المائدة:٤٩)

''اوران سے بچئے کہ یہ آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکانہ دیں''۔

دستور کے دیباچے،دفعہ۲الف اورعدالتی فیصلے

دستور میں پائے جانے والے تضادات اور دیباچے کی مبہم عبارات کے سبب پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں بھی دیباچے اور دفعہ۲ الف کے فہم کے حوالے سے بہت تضاداور اختلاف پایاجاتاہے۔نتیجتاًان عدالتوں نے مختلف متضاد فیصلے جاری کئے ہیں ،البتہ یہ سب باہم متضاد ومخالف فیصلے اس بات پر متفق ہیں کہ دستورمیں اسلامی شریعت سے متصادم دفعات بھی پائی جاتی ہیں۔[1]اختلاف صرف اس امر میں رہاہے کہ ترجیح کسے دی جائے ،اسلامی دفعات کو یااسلام سے متصادم دفعات کو؟اور ترجیح دینے کا یہ حق کون رکھتا ہے؟اگلی سطروں میں ہم،اللہ کی توفیق سے ،پاکستان کے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ایسے متضاد فیصلوں کی چندمثالیں پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان پرتبصرہ بھی کرتے چلیں گے ۔

(۱)قراردادِ مقاصداوردستورکی دفعہ ۲الف کی حیثیت سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں موجود تضاد واختلاف کی چندمثالیں:

بیرسٹرمحمدرفیق بٹ نے دفعہ۲الف اور دفعہ۲۲۷پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں قراردادِ مقاصداور دفعہ۲ الف کے مقام پر بحث کی ہے

[1] جیسا کہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے تیسرے تضاد میں صدرِ پاکستان کے کسی بھی جرم کو معاف کرنے کے حق پر بحث کے دوران یہ بات واضح کی جاچکی ہے۔

جس سے ان دونوں کی حیثیت اور پاکستان کے قوانین اورفیصلوں پر ان کے عملی اثرات واضح ہوتے ہیں ۔ اس بحث کی اہمیت کے پیشِ نظرمیں اس کا خلاصہ یہاں (معمولی تصرفات کے ساتھ)ذکرکررہاہوں:

پاکستان کے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں یہ بحث چلتی رہی کہ قراردادِ مقاصد کی کیا حیثیت ہے؟ کیایہ دستور پر غالب ہے ؟کیا پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں یہ حق رکھتی ہیں کہ کسی قانون یا کسی بھی ہیئتِ مجاز سے جاری ہونے والے فیصلے کو قراردادِ مقاصد سے ٹکراؤکی صورت میں کالعدم قراردیں ،چاہے وہ قانون یا فیصلے دیگر دستوری دفعات کے موافق ہی کیوں نہ ہو؟

ایک مقدمہ[1]میں پاکستان کی سپریم کورٹ نے قراردادِمقاصد کو پاکستان میں قوانین کا سب سے بڑاماخذ[2]تسلیم کیا ہے۔اس فیصلے میں کہاگیا ہے کہ پاکستان کو مغرب کے قانونی نظریات کی طرف دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے یہاں مرجع وماخذ مغربی قوانین کے مآخذسے یکسرمختلف ہے ۔اس سب سے بڑے ماخذ ومصدر کی طرف اشارہ پاکستانی دستور ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ کل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدارواختیاربھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندررہ کر استعمال کرنے کاحق حاصل ہے،وہ ایک مقدس امانت ہے۔[3]

اس اصول میں کسی تغیر وتبدیلی کی گنجائش نہیں۔۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی پہلی تاسیسی

---

[1] پنجاب حکومت کے خلاف عاصمہ جہانگیر کا مقدمہ (PLD 1972 S.C. 139)

[2] Grund norm

[3] یہ قرراردادِ مقاصد کی اصل عبارت سے ملتی جلتی ہے۔

کمیٹی سے منظورکردہ قراردادِ مقاصدمیں یہ اصول انتہائی وضاحت کے ساتھ تسلیم کیاگیا ہے۔

لیکن اس کے برعکس ایک دوسرے مقدمہ کے فیصلے[1] میں کہاگیاکہ قراردادِ مقاصد کوئی دستورسے بالاتر دستاویز نہیں ہے اور نہ ہی عدالتیں اسے زیر بحث لاسکتی ہیں۔

اسی طرح سپریم کورٹ کے ایک اورمقدمہ[2] میں جج نے اپنے فیصلے میں کہا ہے کہ کوئی بھی مقدس دینی دستاویز اگر دستور میں شامل نہیں ہے اور اس کاجزوقرارنہیں پائی توپھر یہ ممکن نہیں کہ اسے دستوری دفعات سے بالاتر مقام دیاجائے۔نیز یہ عدالتیں چونکہ دستور کے تحت وجودو پذیر ہوئی ہیں لہٰذا انہیں کسی طور اس بات کا اختیار نہیں کہ یہ دستور کی کسی شق کو کسی دینی دستاویزسے متصادم قراردیں۔ اب چونکہ قراردادِ مقاصد محض دستور کا دیباچہ ہے،دستور کے اندر درج نہیں،اوراسے دستور کا فعال جزونہیں بنایاگیا،لہٰذا قراردادِمقاصد کی روشنی میں دستور کی دفعات کو غلط یاصحیح قرارنہیں دیاجاسکتا۔

ایک دوسرے مقدمہ[3] میں جج نے اس بات کا طرف اشارہ کیا ہے کہ دستور کی دفعہ ۲ الف کے ذریعے کتاب اللہ اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت.........جو ہرمسلمان کے نزدیک تمام قوانین واحکام سے بالاتر قانون وحکم کی حیثیت رکھتی ہیں.........یہ دونوں چیزیں اب پاکستان کاسب سے بالاتر قانون بن چکی ہیں ۔اللہ مالک الملک کی

---

[1] انکوائری جج کے خلاف حسین نقی کا مقدمہ، لاہور،(PLD 1973 Lahore 164)

[2] ضیاء الرحمان کے خلاف ریاست کا مقدمہ،(PLD 1973 S.C.49)

[3] محمدحسین کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ،(PLD 1987 Karachi 612)

حکمرانی جو اپنے وسیع معانی میں اجتماعی ،اقتصادی ،قانونی اور سیاسی معاملات ،سبھی پر مشتمل ہے.........یہ حکمرانی اب نافذ العمل ہوچکی ہے۔کتاب وسنت دستورسے بالاتر اقتدار کے حامل ہیں اور انہیں دستور اور تمام تر قوانین کی نگرانی میں ان کے خلاف موجود خلافِ شریعت چیزوں کو منسوخ کرنے کاحق حاصل ہے۔قراردادِ مقاصد میں مذکور اصول واحکام اب دستور کا بنیادی اور نافذ العمل جزوبن چکے ہیں۔یہ اصول دستور سے بلند تر حیثیت رکھتے ہیں اور ہر وہ قانون جو اس متعارض ہوگااسے ایک طرف پھینک دیا جائیگاکیونکہ ایسا ہر قانون پاکستان میں مالک الملک سبحانہ وتعالیٰ کی حکمرانی اور قرآن وسنت کی بالاتر حیثیت سے متصادم تصور کیاجائے گا۔جج نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی عدالتوں کو صرف اس کا اختیار ہی حاصل نہیں ،بلکہ وہ اس بات کی پابند ہیں موجودہ قوانین کی قرآن وسنت کی روشنی میں تفسیر وتاویل کریں اور ان میں ضروری ترامیم کرتے ہوئے انہیں نافذ کریں۔

لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ایک اور مقدمہ[1] میں ججوں نے کہا کہ قراردادِ مقاصد کو ....جیسا کہ وہ دفعہ۲الف میں مذکور ہے.........دستور کی دیگر دفعات سے بالاتر حیثیت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اسے دیگر دفعات کو باطل قرار دینے کے لئے، استعمال نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ اگر دستور کا ایک حکم دستور ہی کے دوسرے حکم سے ٹکراتا ہو،تویہ لازم نہیں کہ پہلا حکم دوسرے کو ساقط کردے۔

[1] پاکستان کے خلاف غلام مصطفیٰ کھر کا مقدمہ(PLD 1988 Lahore.49)

ایک دوسرے مقدمہ[1] کا فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا کہ قراردادِ مقاصد اگرچہ اب دستورِ پاکستان کا اساسی جزو بن چکی ہے ،لیکن خود اس کے اپنے اندر یہ قوت نہیں کہ یہ قرآن اور سنت میں موجود تمام احکامات کو دستور کا جزوِ لاینفک بنا چکے،اور نہ ہی عدالتوں کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ یہ کسی قانون کی شرعی حیثیت کو دفعہ ۲الف کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کردیں ۔قراردادِ مقاصد تو صرف ایک اعلان ہے جو پاکستان کے عقیدے کو واضح کرتا ہے،اسے عدالتوں کے ذریعے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سال ایک دوسرے مقدمہ[2] میں عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ عدالتوں پر لازم نہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں یہ اعلان کریں کہ یہ قراردادِ مقاصد کے ساتھ نہیں چل سکتا،بلکہ عدالتوں کو تو چاہیے کہ وہ قوانین کی ایسی تشریح کرتے ہوئے فیصلے دیں جن سے ان قوانین اور قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کو باہم جمع کیاجاسکے ۔عدالتوں کی یہ ذمہ داری نہیں کہ دستور کے کسی حکم کو قراردادِ مقاصد کے خلاف قراردیں۔

پھر اسی سال ایک اورمقدمہ[3] میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ دستور کی دفعہ ۲۲۷(۲)[4] میں مذکور پابندی کا انطباق ریاستی عہدیداروں کے فیصلوں پر نہیں ہوتا،خواہ وہ عدالتی یا نیم عدالتی محکموں سے تعلق رکھتے ہوں یا دیگر ایسے محکموں سے تعلق رکھتے

[1] وحیدفیبرکس لمیٹڈ کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈ کا مقدمہ (PLD 1989 Karachi.371)

[2] وفاقی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف شرف فریدی کا مقدمہ(PLD 1989 Karachi.404)

[3] انکم ٹیکس آفیسر کے خلاف عزیزاحمدشیخ کا مقدمہ(PLD 1989 S.C.613)

[4] یہی وہ دفعہ ہے جو کہتی ہے کہ تمام قوانین قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں ۔آئندہ صفحات میں اس پر بحث ہوگی(ان شاء اللہ)

ہوں جو عملی طور پر قوانین کو نافذ کرتے ہیں ،برخلاف ان اداروں کے جن کا کام قانون سازی کرنا یا قانون سازی کے اصول وضع کرنا ہے۔اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دفعہ۲۲۷(۱)یا دفعہ ۲الف کی بنیاد پر (یعنی قراردادِ مقاصد کی روشنی میں)ان اداروں کے فیصلوں کو باطل قرار دے سکیں۔

ایک اور مقدمہ[1] میں جج نے ذکر کیا ہے کہ ہائی کورٹ تو خوددستور کی پیداوار ہے لہذا اس پرلازم ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں دستور کی مکمل تابعداری کرے۔چنانچہ دستور کے کسی جزو پر نکتہ چینی تو درکناریہ تو کسی دستور کے کسی جزوکا اعلان بھی نہیں کرسکتیں،کیونکہ یہ صرف پارلیمان کا کام ہے۔نیز جج نے یہ بھی کہا کہ کسی بھی قانون کو قراردادِ مقاصد کی کسوٹی پر جانچ کر اسلام کے موافق بنانے کی کوشش کرنا عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔

ایک دوسرے مقدمہ[2] میں اسی جج نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دفعہ ۲الف دستور کا ایسا حصہ نہیں جو خود بخود نافذالعمل ہو،نہ ہی ہائی کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کو قراردادِمقاصد کے معیارپر جانچنے پرکھنے کی کوشش کرے۔[3]

سپریم کورٹ نے دستور کی دفعہ۲۷۰الف سے متعلق[4].........جو کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان اور ایسے

---

[1] ولی محمد کے خلاف کنیزفاطمہ کا مقدمہ(PLD 1989 Lahore.490)

[2] یونائیٹڈبینک لمیٹڈ کے خلاف ماسو کامقدمہ(MLD 2340 1990)

[3] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on articlen 2-A p: 52 to 54.

[4] 1990 CLC 1683.

تمام صدارتی فرامین ،مارشل لاء ضوابط ،اور دیگر قوانین (جن میں ۱۹۸۵ء کااستصواب اور دستور کی دوسری اور تیسری ترامیم بھی شامل ہیں)اور ان کے علاوہ ان تمام احکامات وقوانین کو جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر اس دفعہ کے نفاذ تک صادر ہوئے ،ان تمام کو ان کے نتائج وآثارسمیت کسی بھی عدالت میں چیلنج کئے جانے سے تحفظ فراہم کرتی ہے.........اپنے فیصلے میں کہا کہ قراردادِ مقاصد میں شامل ہدایات اور اصول محض کچھ متقی حضرات کی تمنائیں نہیں جو انہیں خوش کرنے کے لئے دستور کے دیباچے میں سجادی گئی ہوں،بلکہ یہ دستورکااساسی اورنافذالعمل جزوہیں،ریاست کا کوئی بھی اہلکار اگر قراردادِ مقاصد کی حدود سے تجاوز کرے تواس کے عمل کو قرآن وسنت سے ثابت شدہ حدودِ الٰہی اور تقاضاہائے شریعت پر پرکھنے کے بعد ان کی مخالفت کی صورت میں غیرقانونی سمجھا جائے گا،اسی طرح وہ آخری احکامات جنہیں دستور کی دفعہ ۲۷۰الف کی بنیاد پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے اگر یہ بھی اسلام اور قراردادِ مقاصد سے متعارض ہوں تو عدالتیں اس بات کی پابندہیں کہ اس دفعہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان احکامات پر وہی فیصلے لاگوکریں جو اللہ مالک الملک کے قانونِ اعلیٰ سے مطابقت نہ رکھنے والے احکامات پر صادر ہوتاہے۔[1]

مذکورہ بالا فیصلوں کے نتیجے میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں اس بات پر جھگڑا ہوگیا کہ دستور کی دیگر دفعات کے مقابلے میں دفعہ۲الف کی حیثیت کیا ہے؟اور آیایہ دفعہ خود بخود نافذالعمل ہے یا نہیں؟یہ اختلاف اس وقت اپنی انتہاء پر پہنچ گیا جب لاہور ہائی کورٹ کے سامنے بہت سے فریقوں کی جانب سے اس

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on a rticle 227 p: 384.

صدارتی فرمان [1] کے خلاف درخواستیں پیش کی گئیں جس میں صدرنے دستور کی دفعہ ۴۵ الف سے حاصل شدہ اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے ان تمام فیصلوں کو بدل ڈالاجو ۶دسمبر۱۹۸۸ء تک فوجی وغیر فوجی عدالتوں سے صادرہوئے تھے۔لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل نے ان تمام درخواستوں پر ۱۴جنوری ۱۹۹۶کو فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ:

> دفعہ۲الف دستور کا ایک فعال جزوہے۔کوئی بھی عدالت یہ قدرت نہیں رکھتی کہ اسے نافذ کرنے سے انکار کرے ۔عنقریب وفاقی شرعی عدالت اس حوالے سےدستور کی فصل ۳الف کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرے گی،جبکہ دیگر عدالتیں باقی قوانین کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کریں گی ۔نیز عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ درپیش مقدمات کے حوالے سے یہ اعلان کریں کہ فلاں فلاں قوانین قرانِ کریم اورسنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اسلامی تعلیمات کے منافی یا ان کے موافق ہیں۔
>
> اگر یہ سزائیں صادر ہونے کی تاریخ اور صدرِپاکستان کےزیر بحث فیصلے کی تاریخ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اس فیصلے کن سوال کا جائزہ لیا جائے جو عدالت کو اس وقت درپیش ہے کہ آیااسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کی دفعہ۲الف کی روشنی میں صدرِ پاکستان ایسے اختیارات کام مالک ہوسکتاہے کہ وہ موت کی سزامیں تبدیلی کرے؟.........توکتابِ عزیز میں درج قانونِ قصاص ودیت کی روشنی میں ہماراجواب نفی کی صورت میں ہوگا۔لہٰذا صدرِپاکستان کو سزائے موت کے احکامات میں

---

[1] صدارتی خطاب نمبر(PTNS Islamabad 8/15/88) تاریخ 7/12/1988

ترمیم کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ حدود اور قصاص ودیت کے احکامات سے تعلق رکھتے ہیں،جن میں تبدیلی کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں ہے اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں معافی کا حق صرف اولیائے مقتول کو حاصل ہوتا ہے۔جن حالات میں سزائے موت کے مذکورہ بالافیصلے صادر کئے گئے تھے ان میں تو صدر کو کسی قسم کی معافی یا ترمیم وغیرہ کا حق حاصل نہیں ،البتہ اگر حالات اس سے مختلف ہوں مثلاً کسی مجرم کو بطور تعزیر کوئی سزا دی جائے تو ایسی صورت میں صدر کو معاف کرنے کا اختیار ہے اور مفادِ عامہ بھی اسی میں ہے۔

دفعہ۲الف کی حیثیت کے حوالے سے یہ فیصلہ باقی تمام فیصلوں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لیکن لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی [1]سپریم کورٹ نے اس فیصلے پر کچھ تحفظات ظاہر کرنے کے بعد یہ تمام مقدمات نظرِ ثانی کے لئے دوبارہ لاہور ہائی کورٹ کے پاس بھیجے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کی بنیاد پر کسی قانون کے بطلان کا اعلان کریں۔

سپریم کورٹ نے یہاں یہ بات بھی کہی کہ اس طرح قانون کو رد کرنا صرف عدالتی نظرثانی کے بجائے قانون سازی کے پورے عمل کی جانچ پڑتال اور اس پر نظرثانی کا دروازہ کھول دے گا،حالانکہ دفعہ۲الف میں بیان کردہ حدود کا خیال رکھنے کی ذمہ داری عوامی نمائندگان پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کا اختیار رکھتے ہیں ،نہ کہ

[1] حکومتِ پاکستان کے خلاف خان ولدفضل الٰہی اور دو دوسرے اشخاص کا مقدمہ (Cri P.L.A. NO.100 of 1992)

عدالتیں[2]۔سپریم کورٹ کے جج نے اس بات کا تذکرہ بھی کیا کہ دستور میں دفعہ ۲الف درج ہوجانے کے باوجودبھی اس حقیقت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے وقت اس کا ایک خاص کردار متصور تھا اور وہ یہ کہ یہ قراردادستوربنانے والوں کے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھے گی اور دستوروضع کرنے کے عمل میں ان کی رہنمائی کرے گی،اور دستورسازی کے دوران ان اعلیٰ ترین مقاصد کو پیش نظر رکھاجائےگاجو اس میں بیان کئے گئے ہیں۔

---

[2] اسی طرح ایک فتویٰ مصر کی آئینی سپریم کورٹ نے بھی مصری دستور کی دفعہ ۱۶۵کی بنیاد پر دیا تھا جو یہ کہتی ہے کہ عدالتوں کے فیصلے صرف ملکی قانون پر مبنی ہوں گے۔لٰہذا کوئی جج خودساختہ قانون کے بجائے شریعت کے مطابق فیصلے نہیں دے سکتا۔اسی وجہ سے جب مصری قاضی (جج)مشیرمحمود غراب نے ایک شرابی پر جسے سرِ عام نشے کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا،اسّی کوڑوں کا حکم جاری کیا تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوسکااور اسے سنت کے موافق ہونے کے باوجود باطل شمار کیاگیا،کیونکہ مصری قانون کے مخالف تھا۔ بلکہ اس فیصلے کو قاضی محمودغراب کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی بنیاد بناتے ہوئے وزارتِ عدل کی عدالتی تفتیش کے ادارے نے انہیں نوٹس جاری کیا جس کا نمبر شمار یہ ہے (۵۔ ۸۱۔۱۹۸۱)اور اس میں مندرجہ بالافیصلے کے بطلان کو ثابت کرتے ہوئے کہاگیا کہ ''اس فیصلے پر یہ اعتراض ہے کہ جب یہ قانون قرار پاچکا ہے کہ سزا صرف قانون کی بنیاد پر ہوگی اور صرف انہی افعال پر سزا دی جاسکتی ہے جو قانون کی تاریخ نفاذ کے بعد صادر ہوں،اور قوانین میں سزائیں متعین کی جاچکی ہیں اور ان سزاؤں میں مذکورہ ملزم کو کوڑے مارنے والی سزانہیں ہے لہٰذا یہ فیصلہ خلاف قانون ہوا ہے جس سے یہ فیصلہ باطل ہوجاتاہے۔''اور پھر قاضی محمود غراب کو اس فیصلے کے بعد قضاء سے ہٹاکر انتظامی ڈیوٹی پر لگادیاگیا۔ (اس مقدمہ کی تفصیلات کے قاضی محمود غراب کی کتاب:''أحکام الاسلامیة ادانة للقوانین الوضعیة''کی طرف مراجعت کیجئے۔)

اس بناپر جج نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ اگر دستور کی موجودہ دفعات اور انسانوں کے حقِ قانون سازی پر عائد ہونے والی شرعی حدود کے مابین کوئی تضاد پایاجاتاہے تو اسے دور کرنے کے لئے وہی اسلوب اختیارکیاجائے گا جس کا تصوردستور کے مصنفین اور قراردادِ مقاصد منظور کرنے والوں نے پیش کیا تھا۔یعنی اس کے لئے قومی اسمبلی کی طرف رجوع کیاجائے گا۔ پس عملاً دستور کی جس دفعہ پر اعتراض ہو، اس کی تصحیح خود دستور کے بیان کردہ نظام کے مطابق پارلیمان سے آئینی ترمیم کی منظوری کے ذریعے کی جاسکتی ہے،یہ تصحیح کرنا عدالتوں کا کام نہیں ہے۔[1]

(۲)یہ بیرسٹرمحمدرفیق بٹ کی کتاب سے چنداقتباسات تھے جن سے قراردادِ مقاصداور دفعہ۲الف سے متعلق پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں میں تضادات واضح ہوتے ہیں ۔آئندہ سطور میں ہم ان فیصلوں پر مختصراًتبصرہ کریں گے:

(الف)پاکستان کی ہائی اورسپریم کورٹ کے ججوں کے درمیان قراردادِ مقاصد اور دفعہ۲الف کے حوالے سے جو تضاد واختلاف نظرآتا ہے،لامحالہ یہ دواساسی وجوہات سے پیداہواہے:

اولاً،ان دونوں کو وضع کرتے وقت انتہائی مبہم اور پیچیدہ انداز اختیار کیاگیاہے اور ....جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں ....ان کی عبارات سے یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی کہ پاکستان میں قانون سازی کا اصل ماخذ شریعتِ الٰہی ہے ،اقتدارِ اعلیٰ بھی اسی کو حاصل ہے اور اس سے متصادم ومخالف ہرقانون باطل ہے ۔سچ تو یہ ہے کہ حق وباطل کو خلط ملط کرنے کا آغازدستور کی ابتدائی سطور سے ہی ہوجاتا ہے ۔اگر قراردادِ مقاصد اور دفعہ۲الف میں یہ بات دوٹوک اور واضح انداز میں درج

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 2-A p: 54 to 56.

ہوتی کہ شریعتِ اسلامیہ قانون سازی کا سب سے اعلیٰ اور واحد ماخذ ہے،کوئی بھی قانون اس سے متصادم نہیں ہوسکتااور اگر کوئی قانون یادستوری دفعہ اس کے خلاف پائی گئی تو وہ باطل قرارپائے گی.........اگر یہ انداز اختیارکیاجاتا تو مندرجہ بالاجھگڑے اور اختلافات سرے سے پیدا ہی نہ ہوتے۔

ثانیاً،دستور بنانے والوں نے صرف اتناغضب نہیں ڈھایاکہ تطبیقِ شریعت سے متعلقہ دفعات کو مبہم انداز میں تشکیل دیا،بلکہ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے دستور میں ایسی دفعات بھی درج کردیں جو شریعت سے صراحتاً متصادم تھیں،پس یہ دستور.........جو ''ابوالقوانین''بھی کہلاتا ہے.........ایک عجیب سے ملغوبہ میں تبدیل ہوکر ججوں کے لئے مزید پیچیدگی کا باعث بن گیا۔

(ب)مذکورہ بالا اقتباسات کے مطالعے سے پاکستانی ججوں کے افکار ونظریات میں بھی تضادات وابہامات واضح نظرآتے ہیں،شاید یہ بحیثیتِ مجموعی پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے انتشارِ فکری کا ہی عکس ہے۔اس فکری انتشار اور اختلافِ آراء کا پایاجانااس لئے بھی باعثِ حیرت نہیں کہ ،جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں ،پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعہ مرافعہ بنچ کے علاوہ کسی بھی عدالت کا جج بننے کے لئے مسلمان ہوناشرط نہیں ۔نیز شرعی وغیر شرعی ،کسی بھی قسم کی عدالت کا جج بننے کے لئے 'عادل'(پابندِ شرع)ہونا بھی لازم نہیں۔

میری رائے میں ججوں کا ایک گروہ ایسا ہے جن کے دلوں میں شریعت کی محبت اور دینی غیرت کا جذبہ ہے اور وہ شریعت کی حاکمیت دیکھنے کے خواہاں ہیں(یہ محض میری رائے ہے اور حسیبِ اصلی تو اللہ

تعالیٰ ہی ہے اور میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکی نہیں بیان کرنا چاہتا)۔پس اسی جذبے کے تحت انہوں نے قراردادِ مقاصد اور دفعہ۲ الف کو بلند ترین مقام پر فائز کرنے کی کوشش کی ہے،یہاں تک کہ اسے دستور سے بھی بالاترحیثیت دے کر یہ ثابت کرناچاہا ہے کہ قرآن وسنت ہی پاکستان کااعلیٰ ترین قانون ہے۔

لیکن ان کے اس مؤقف میں دوبنیادی کمزوریاں ہیں:

ایک تو یہ کہ قراردادِ مقاصد اور دفعہ۲الف کی عبارتوں سے ان کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی۔

دوسری یہ کہ انہوں نے بھی دستور کو ہی مرجع اور معیار تسلیم کیا ہے اور شریعت کی بالادستی ثابت کرنے کے لئے بھی دستوری دفعات سے استدلال کیا ہے۔

یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کرچکے ہیں کہ شریعت کی نصوص اور دستور کی نام نہاد اسلامی دفعات میں تین بنیادی فرق ہیں:

(الف)دستور کی اسلامی دفعات اس بات کی محتاج ہیں کہ وہ اپنی رسمی حیثیت منوانے کے لئے غالب اکثریت کی تائید سے دستور میں باقاعدہ طور پر درج ہوں،جب کہ نصوصِ شریعت نہ صرف انسانوں کی تائید سے بے نیاز ہیں، بلکہ خودانسانوں پر حاکم بن کر اتری ہیں۔

(ب)دستور خود بھی عوامی حاکمیت کا نمائندہ ہے ،اور کسی دستور کو بطور دستور تبھی تسلیم کیا جاتا ہے جب عوام کی اکثریت استصواب یا عوامی نمائندگان کے واسطے سے اسے منظوری بخشے۔اس کے برعکس شریعت کا اللہ مالک الملک کی طرف سے نازل ہونا ہی اس کی حاکمیت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کی

حاکمیت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے پر استصواب یارائے شماری کرانا قطعاً جائز نہیں۔

(ج)پارلیمان کی غالب اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے دستوری دفعات میں تبدیلی یا ترمیم کردے،جبکہ حکمِ شریعت کو تبدیل کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔

ججوں کا دوسراگروہ اس رائے میں اختلاف کرتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ قراردادِ مقاصد اور دفعہ۲الف دستور کا مؤثر جزو ہی نہیں،لہذا کسی دستوری دفعہ یا کسی قانون کو شرعی احکامات سے تصادم کی بنیاد پر باطل نہیں قراردیاجاسکتا۔اور جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین ،جج حضرات میں عموماً یہی رائے عام ہے۔

تیسرا فریق اس رائے کا حامل ہے کہ قراردادِ مقاصد کے تقاضوں اور دستور کی دیگر دفعات وقوانین کے درمیان جمع وتطبیق کی راہ اختیارکرنی چاہیے۔

۔۔پاکستانی دستور اور قوانین میں غیرشرعی مواد موجود ہے

درج بالا بحث میں ہم نے دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور میں موجود حق وباطل کی آمیز ش ،قراردادِ مقاصد کی مبہم عبارات اور حجیتِ شریعت اور حجیت دستور میں پائے جانے والے فرق کا جائزہ لیا ہے۔نیز اسی بحث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ قراردادِ مقاصد اور اس کے عملی اثرات کے حوالے سے ججوں کے فہم میں کس قدر تضاد پایاجاتا ہے ۔

میری کوشش ہوگی کہ آئندہ سطور میں یہ امر واضح کروں کہ ایک بات تو بہرحال سبھی کو ماننی ہوگی.........

خواہ وہ قرآن وسنت کو ملک کا اعلیٰ ترین قانون سمجھتے ہوں یا یہ رائے رکھنے والوں سے اختلاف کرتے ہوں.........کہ پاکستانی دستور اور پاکستانی قوانین میں شریعتِ اسلامی سے متعارض ومتصادم کافی مواد موجود ہے۔اس حقیقت کا اعتراف تو خود پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی کیا ہے۔اور پاکستانی نظام اور اس کے دستور وقوانین کے غیرشرعی ہونے کے لئے صرف یہی ایک بات کافی ہے۔ اگر ہم ایک لمحے کے لئے یہ فرض کرلیں کہ کسی سلطنت کے تمام نظام وقوانین شریعت کے مطابق اور اس کے تابع ہیں لیکن وہ صرف ایک ایسا قانون بنالے جو شریعت سے متصادم ہو تو وہ حکومت غیراسلامی حکومت کہلائے گی ۔بلکہ علماء کا تواس بات پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ حکومت اس قانون سے رجوع نہ کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہوجاتا ہے۔سورہ المائدہ کی جن آیات سے ہم پہلے استدلال کرچکے ہیں ان میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے خبردار کرتے ہیں کہ کہیں مشرکین انہیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم سے بہکانہ دیں۔فرمایا:

﴿وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (المائدة:۴۹٤۹)

''اوران کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کیجئے ،اور ان سے بچئے کہ یہ اللہ کی جانب سے آپ کی طرف نازل کردہ کسی حکم سے آپ کو بہکانہ دیں''۔

اورفرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَى لَهُمْ ،ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ،فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ

الْمَلائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ،ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾(سورۃمحمد:۲۵۔۲۸)

''بے شک جو لوگ ہدایت واضح ہوجانے کےبعدپشت پھیر کرمرتدہوگئے،شیطان نے (یہ کام)ان کو مزین کردکھایااوراُنہیں طول (عمرکاوعدہ)دیاہے اس لیے کہ جولوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے بیزار ہیں ،یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گےاوراللہ ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔تواس وقت (ان کا)کیاحال ہوگاجب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔یہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے ،یہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو ناپسند کیا ،تو اس نے بھی ان کے اعمال کو برباد کردیا''۔

گزشتہ صفحات میں قارئین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کاوہ قول بھی پڑھ چکے ہیں [1]جس میں آپ نے چنگیزخان کی وضع کردہ کتاب''یاسق''کے بارے میں شریعت کا حکم بیان کیا ہے جو کہ اسلام ،تاتاری رسوم وروایات اور دیگر شریعتوں کا ایک مخلوط مرکب تھا۔

نیز اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو گروہ بھی اسلام کے کسی صریح حکم کو بجالانے سے رُکارہے(طائفۃ ممتنعۃ عن شریعۃ من شرائع الاسلام الظاھرۃ)تو اس کے خلاف قتال کیاجائےگا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے جب ان لوگوں کے بارے میں پوچھاگیا جنہیں نماز پڑھنے کی دعوت دی جائے لیکن وہ نماز پڑھنے سے انکاری رہیں ،تو آپ ؒ نے جواب دیا:

''وکذلک کل طائفۃ ممتنعۃ عن شریعۃ واحدۃ من شرائع الاسلام الظاھرۃ، أو الباطنۃ المعلومۃ،فإنہ

[1] باب دوم،فصل اول۔

يجب قتالها،فلو قالوا:نشهد ولانصلي قوتلوا حتى يصلوا،ولو قالوا:نصلي ولا نزكي قوتلوا حتى يزكوا،ولو قالوا:نزكي ولا نصوم ولا نحجّ،قوتلوا حتى يصوموا رمضان،ويحجوا البيت،ولو قالوا:نفعل هذا لكن لاندَع الربا،ولانشرب الخمر،ولا الفواحش،ولا نجاهد في سبيل اللّٰہ،ولا نضرب الجزية على اليهود والنصارى،ونحو ذلک.قوتلوا حتى يفعلوا ذلک.كما قال تعالى:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُؤمِنِينَ﴾ ﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُولِہ﴾.والربا آخر ما حرّم اللّٰہ،وكان أهل الطائف قد أسلموا وصلوا وجاهدوا،فبين اللّٰہ أنهم إذا لم ينتهوا عن الربا،كانوا ممن حارب اللّٰہ ورسولہ.وفي الصحيحيين أنہ لما توفي رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليہ وسلم وكفر من كفر من العرب،قال عُمَر لأبي بكر:كيف تقاتل الناس؟ وقد قال النبي صلى اللّٰہ عليہ وسلم ''أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إلہ إلا اللّٰہ، واني رسول اللّٰہ. فاذا فعلوا ذلک عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها''.فقال أبوبكر:ألم يقل:إلا بحقها؟.واللّٰہ لو منعوني عقالًا كانوا يؤدونہ إلى رسول اللّٰہ صلي اللّٰہ عليہ وسلم لقاتلتهم عليہ.قال عُمَر: فواللّٰہ ما هو إلا أن رايت اللّٰہ قد شرح صدر أبي بكر للقتال، فعلمت أنہ الحق''.

''ہروہ گروہ جو اسلام کے معلوم احکامات.........خواہ ظاہری ہوں یا باطنی.........میں سے کسی ایک بھی حکم پر عمل پیرا ہونے سے انکار کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہوجاتا ہے۔مثلاً اگر کوئی گروہ یہ کہے کہ ہم وحدانیتِ الٰہی اور رسالتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تو دیتے ہیں لیکن نمازنہیں پڑھیں گے،تو ان کے خلاف قتال کیا جائے

گایہاں تک کہ وہ نماپڑھنے لگیں،اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃنہیں دیں گے تو ان کے خلاف قتال کیاجائے گایہاں تک کہ وہ زکوٰۃ دینے لگیں،یا پھر وہ کہیں کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن نہ تو روزے رکھیں گے نہ ہی حج کریں گے تو ان سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ رمضان کے روزے رکھیں اور بیت اللہ کا حج کریں،اسی طرح اگر وہ کہیں کہ ہم یہ سب کچھ کریں گے لیکن نہ تو سود چھوڑیں گے ،نہ شراب نوشی وفواحش ترک کریں گے ،نہ اللہ کے رستے میں جہاد کریں گے اورنہ ہی یہودونصاریٰ پر جزیہ عائد کریں گے تو ان سے قتال کیاجائے گا یہاں تک کہ وہ یہ تمام احکام بجالائیں،جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اور ان سے قتال کرو،یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خالص ہوجائے ﴾

اور فرمایا:﴿اے ایمان والو!اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو توجو کچھ سود باقی ہے اسے چھوڑ دو،پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو﴾

اللہ رب العزت نے سب سے آخر میں سود کو حرام قراردیااوراہل طائف کو.........جو اسلام قبول کرچکے تھے،نمازیں بھی پڑھتے تھے اور جہاد تک کرتے تھے.........خبردارکیاکہ اگروہ سود سے بازنہ آئے توانہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والوں میں شمارکیاجائے گا۔

نیزصحیحین میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور اہلِ عرب کی بہت بڑی تعداددین سے پھر(کرمرتدہو)گئی،توحضرت عمررضی اللہ عنہ

نے حضرت ابوبکررضی اللہ عنہ سے کہا:آپ کس بنیاد پرلوگوں سے قتال کریں گے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماچکے ہیں کہ:

''مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں،اور میں اللہ کا رسول ہوں۔پس اگر وہ ایسا کرلیں تومجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے،سوائے اس کے جو حق(ان سے وصول کرنا)شریعت ہی نے مقررکیاہو''۔

توحضرت ابوبکررضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''کیاآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایاکہ''سوائے اس کے جو حق ان سے وصول کرناشریعت ہی نے مقررکیا ہو''۔اللہ کی قسم! اگریہ لوگ وہ ایک رسی بھی جو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بطور زکوٰۃ دیا)کرتے تھے مجھے دینے سے انکارکریں گے تو میں اس کی خاطر بھی ان سے قتال کروں گا''۔

حضرت عمررضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم !جب میں نے یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے (مرتدین کے خلاف)قتال کےلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ انہی کا مؤقف مبنی برحق ہے''۔[1]

اسی طرح جب امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا:

''الحمدللّٰہ کل طائفة ممتنعة عن التزام شريعة من شرائع الإسلام الظاهرة المتواترة؛من هؤلاء القوم وغيرهم فإنه يجب قتالهم،حتى يلتزموا شرائعه وإن كانوا مع ذلک ناطقين بالشهادتين

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۸۴/۵

وملتزمین بعض شرائعہ،کما قاتل أبـوبکر الصـدیق والصـحابةرضـی اللّٰہ عنہم مـانعي الزکاة.وعلی ذلک اتفق الفقہاء بعدہم بعد سابقة مناظرة عمـر لأبي بکر رضی اللّٰہ عنہما.فاتفق الصـحابةرضـی اللّٰہ عنہمعلی القتـال علی حقـوق الإسـلام عملا بالکتاب والسنة.وکـذلک ثبت عن النبيصـلی اللّٰہ علیہ وسـلم من عشرة أوجُہ الحـدیث عن الخـوارج،وأخـبرہم أنہم شـرالخلق والخلیقـة مـع قولہ:''تحقِّرون صلاتکم مع صـلاتہم وصـیامکم مـع صـیامہم''.فعُلم أن مجـرد الاعتصـام بالإسـلام مـع عدم التزام شرائعہ لیس بمسقط للقتال. فالقتال واجب حتی یکـون الـدین کلہ للّٰہ ، وحـتی لاتکـون فتنـة. فمـتی کـان الـدین لغیراللّٰہ فالقتـال واجب .فأیمـا طائفـة امتنعت من بعض الصـلوات المفروضات أو الصیام أو الحج أو عن التزام تحریم الـدماء والأمـوال والخمـر والزنـا والمیسـر أو عن نکاح ذوات المحارم أو عن التزام جہـاد الکفـار أو ضـرب الجزیـة علی أہـل الکتـاب وغـیر ذلـک من واجبـات الـدین ومحرمـاتہالتي لاعـذر لأحـد في جہودہـا وترکہـا التي یکفـر الجاحـد لوجوبہا.فـإن الطائفـة الممتنعـة تُقاتـل علیہا،وإن کـانت مقِـرَّةً بہا.وہـذا مـا لاأعلم فیہ خلافـا بین العلمـاء.وإنمـا اختلـف الفقہـاء في الطائفـة الممتنعـة إذا أصـرّت علی تـرک بعض السـنن کرکعتي الفجـر والأذان والإقامة عند من لا یقول بوجوبہـاونحـو ذلـک من الشعائر.ہل تُقاتل الطائفةالممتنعـة علی ترکہـا أم لا؟ فأما الوجبات والمحرمات المذکورة ونحوہا فلا خلاف في القتال علیہا''.

''تمـام تعریـف اللہ کی ہے لـئے ہے.........اور وہ گروہ جو اسلام کے معروف ومتواتر احکامات میں سے کسی ایک حکم پـر بھی عمـل پـیرا ہونے سے انکـارکرے اس کے خلاف قتـال واجب

ہوجاتاہے،خواہ وہ تاتاریوں میں سے ہو یا کسی دوسری قوم سے تعلق رکھتا ہو۔یہ قتال اس وقت تک واجب رہتا ہے جب تک یہ ان احکامات الٰہی کی پابندی نہ اختیارکرلیں ۔نیز ان کا اپنی زبان سے کلمہ کی گواہی دینا اور بعض دیگر احکاماتِ شریعت کی پابندی کرنا بھی اس قتال میں مانع نہیں ہے،بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کیا (حالانکہ وہ کلمہ گوبھی تھے اور دیگر تمام عبادات بھی اداکیا کرتے تھے)۔اگرچہ ابتداء میں حضرت عمررضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بحث کی ،لیکن بعد میں (نہ صرف حضرت عمررضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہوگئے ،بلکہ)تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے فقہاء بھی اس مسئلہ پر متفق ہوگئے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات اس بات کی متقاضی ہیں کہ اسلام کے مقرر کردہ حقوق وصول کرنے کی خاطر(ایسے لوگوں سے)قتال کیا جائے (جو یہ حقوق اداکرنے سے انکاری ہوں)۔

اسی طرح نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دس سندوں کے ساتھ خوارج والی حدیث ثابت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں،اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ وصف بھی بیان فرمایا کہ :

''تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابل اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل حقیر جانوگے''۔

اس سے معلوم ہواکہ احکاماتِ اسلام کا التزام کئے بغیراسلام قبول کرنے سے قتال ساقط نہیں ہوتا۔قتال تو واجب رہتا ہے یہاں تک کہ فتنہ کا خاتمہ ہوجائے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے خالص ہوجائے ۔پس جب تک دین کا کچھ حصہ غیر اللہ کے لئے ہو ،قتال واجب رہے گا ۔ لہٰذاجو گروہ بھی کسی فرض نماز،(رمضان کے)روزوں یا حج جیسے فرائض اداکرنے سے رکارہے یاپھر خون ناحق بہانے،مال لوٹنے،شراب پینے ،زناکرنے،جواکھیلنے،محرم رشتے داروں سے نکاح کرنے جیسے افعال کی حرمت کا التزام نہ کرے ،یا کفارکے خلاف جہاد اور اہلِ کتاب پر جزیہ عائدکرنے کے حکم الٰہی کی پابندی اختیار نہ کرے اور ایسے ہی دیگر دینی واجبات اورمحرمات.........جن کاانکار کرنے یا جنہیں ترک کرنےکی شرعاً کوئی گنجائش نہیں،اور جن کے وجوب کا انکار کرنے والا کافر ہوجاتا ہے.........جو گروہ بھی عملاً ان امور کی پابندی اختیار کرنے سے رکارہے تو اس کے خلاف قتال کیا جائے گاچاہے وہ اس کے وجوب کا اقرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایاجاتا۔البتہ اس گروہ کے متعلق فقہاء کے درمیان اختلاف پایاجاتا ہے جو بعض سنتوں کے ترک پر دوام اختیار کرے،مثلاً جو فجر کی دوسنتیں،اذان،اقامت اور ایسے دیگر شعائر یکسر ترک کردے(یہ ان علماء کے نزدیک جو ان اعمال کو واجب نہیں بلکہ سنت سمجھتے ہیں)۔پس ایسے گروہ کے خلاف قتال کرنے ،نہ کرنے کے مسئلے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے،لیکن مذکورہ بالاواجبات

ومحرمات وغیرہ کی پابندی ترک کـرنے والـوں کے خلاف قتال پر توکوئی اختلاف نہیں پایاجاتا''۔[1]

اسی طرح امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے ایسے گروہ کے متعلق پوچھا گیا جو طـاقت وقـوت رکھـنے کے بـاوجود شرعی احکامات قـائم نہیں کرتـا ،کیـاان کے خلاف قتـال جائز ہے؟تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''نعم.یجوز؛بل یجب بإجماع المسلمین قتـال هـؤلاء وأمثـالهم من کـل طائفـة ممتنعـة عن شـریعة من شـرائع الإسـلام الظـاهرة المتـواترة؛مثـل الطائفـة الممتنعـة عن الصـلوات الخمس أو عن أداء الزکاة المفروضة إلی الأصناف الثمانیة ،التي سماها اللّٰہ تعـالی في کتـابہ،أو عن صـیام شـهر رمضـان أو الذین لا یمتعنون عن سفک دمـاء المسـلمین وأخـذ أمـوالهم أو لا یتحـاکمون بینهم بالشـرع الذي بعث اللّٰہ بہ رسـولہ،کمـا قـال أبـوبکر الصـدیق وسائرالصـحابة رضـی اللّٰہ عنهم ، في مـانعي الزکاة،وکمـا قاتـل عليّ بن ابی طـالب وأصـحاب النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، الخوارج''.

''جی ہاں!جائز ہے ، بلکہ اس امر پرتو مسلمانوں کااجماع ہے کہ یہ اور ایسے دیگر گروہ جو اسـلام کے کسـی ایـک بھی متـواتر اور واضـح حکم کی ادائیگی سـے رکے رہیں،ان کے خلاف قتـال واجب ہے۔مثلاً وہ گـروہ جـو پـانچ فـرض نمـازیں ادا نہ کـرے ،یـا قـرآن حکیم میں مـذکور (زکـوٰۃ کی)آٹھ مـدات میں فـرض زکـوٰۃ اداکـرنے سـے ہاتھ کھینچ لے،یـا رمضـان کے روزے نہ رکھے؛یـا وہ گـروہ جـو مسلمانوں کا ناحق خون بہانے اور مال لوٹـنے سـے نہ چوکے یا جس شـریعت کے سـاتھ اللہ تعـالیٰ نے اپـنے رسـول صـلی اللہ علیہ وسـلم کـو مبعـوث فرمایا،اسے اپنے باہمی فیصلوں میں حَکَم نہ بنائے

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۴۲۵/۶

.........تو ایسے گروہ سے قتال کیاجائے گا،بالکل اسی طرح جیسے حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ اورتمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کرنے کا مؤقف اختیار کیا،اور جیسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحابِ نبیﷺرضوان اللہ علیہم اجمعین نے خوارج سے قتال کیا۔''[1]

دوسری فصل

دستور کی دفعہ۳۱
اسلامی طرززندگی

دستور نے دفعہ۳۱کو ''اسلامی طرزِ زندگی'' کا عنوان دیا ہے،جس کی عبارت کچھ یوں ہے:

۱۔پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کےقابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیاکرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں۔

۲۔مسلمانانِ پاکستان کے حوالے سے ریاست مندرجہ ذیل امور کی کوشش کرے گی:

(الف)قرآنِ کریم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا،عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا،اس کے لئے سہولت بہم پہنچانا اور قرآنِ کریم کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۴۲۹/۶

(ب)اتحادواتفاق اور اسلام کے اخلاقی معیار کی پابندی کو فروغ دینا۔

(ج)زکوۃ (عشر)،اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا ۔[1]

جب ہم اس دفعہ کی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو ان میں سے اہم ترین عبارت یہ محسوس ہوتی ہے:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کےقابل بنانے کے لئے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیاکرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں۔''

اس عبارت کی بناوٹ پر غورکرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(الف)یہ محض ایک وعدہ ہے۔

---

[1] اصل عبارت یہ ہے:

Islamic way of life
31. (1) Steps shall be taken to enable the Muslims of Pakistan, individually and collectively, to order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be enabled to understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.
(2) The State shall endeavour, as respects the Muslims of Pakistan,-
(a) to make the teaching of the Holy Quran and Islamiat compulsory, to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and
publishing of the Holy Quran;
(b) to promote unity and the observance of the Islamic moral standards; and
(c) to secure the proper organisation of zakat [ushr,] auqaf and mosques. [PART II Fundamental Rights and Principles of Policy, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 31].

یہ محض ایک وعدہ ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ....بقول دفعہ۳۱.........ریاستِ پاکستان کی جانب سے عنقریب''اقدامات اٹھائے جائیں گے'':اور یہ بات تو معروف ہی ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنا شروع کردوں گا،یا میں نماز قائم کروں گا،یا میں زکوٰۃ ادا کروں گا تو محض اس وعدہ کی بنیاد پر اسے شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا ،یانماز قائم کرنے والا ، یا زکوٰۃ ادا کرنے والا نہیں سمجھاجائے گا۔بیرسٹرمحمدرفیق بٹ دفعہ ۳۱پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''یہ بھی ان تصریحات اور وعدوں میں سے ہے جو دستورنے امت کے ساتھ طے کئے ہیں''۔[1]

اسی طرح دفعہ ۲۹سے ۴۰تک کی تمام دفعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بیرسٹررفیق بٹ نے کہا:

> ''دفعہ۲۹سے دفعہ۴۰تک کے احکامات صرف رہنمااصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں،پس نہ توان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلے کرسکتی ہے،نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرۂ اختیارمیں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذکرسکتی ہے۔البتہ عدالتیں ان دفعات کو دستور کے جزوکے طورپربعض دیگراغراض کے لئے اپنے دائرۂ اختصاص میں داخل سمجھ سکتی ہیں۔مثلاًدستورکی دیگر دفعات یا قانون سازوں کے بنائے ہوئے دیگر قوانین کی تشریح کے لئے ان دفعات سے مدد لی جاسکتی ہے''۔[2]

---

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY, Articles 29- 40 p: 109.

[2] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on CHAPTER 2 PRINCIPLES OF POLICY P: 108.

یہی دفعہ کم وبیش اسی صورت میں ۱۹۵۶ء[1] کے دستور میں بھی موجودتھی اورپچاس سال سے زائد عرصہ بیت جانے کے باوجود بھی یہ تمام وعدے وفاکے منتظر ہیں!

(ب)مبہم الفاظ

اسی طرح دفعہ۳۱کی عبارت میں''احکاماتِ اسلام''جیسی واضح اصطلاح چھوڑ کر ''اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات''کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں،حالانکہ کئی اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات،مثلاً سچ،انصاف،ایفائے عہد،امانت،پاک دامنی،زیادتی سے پرہیز اور ظلم کے خلاف مزاحمت وغیرہ میں تو اسلام اوردیگرشریعتوں میں مشترک امور پائے جاناممکن ہے۔اصل فرق تواحکامات کے ذیل میں ہے،جہاں اسلام باقی شریعتوں سے یکسر مختلف ہے۔[2]

تیسری فصل

دستورکی دفعہ۳۸
سودکاخاتمہ

دفعہ۳۸کی عبارت کہتی ہے کہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح وبہبود کی خاطرجس قدرجلد ممکن ہوسود کو ختم کیاجائےگا''۔[3]

---

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

[2] مصری دستورکی دفعہ ۲ میں بھی اس سے ملتی جلتی عبارت ہے جس میں کہاگیا ہے کہ ''شریعت اسلامی کے مبادی ہی قانون سازی کا اساسی مصدر ہوں گے''حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ ''شریعت اسلامی کے احکام ہی قانون سازی کا واحدمصدر ہوں گے''

[3] اصل عبارت یہ ہے:

یہی عبـــــارت ۱۹۵۶ءکے دســـــــتورمیں بھی موجودتھی۔[1]

اورجیساکہ پہلے ذکرکیاجاچکاہے،اس وعدے کے پچاس سال بعدبھی پاکستان میں سـودی نظـام زوروشـور سـے جاری ہے۔[2]

چوتھی فصل

وفاقی شرعی عدالت،دستورکا حصہ ہفتم،باب ۳ الف

دستورکےحصہ ہفتم کے بـاب ۳الـف(دفعہ۳۰۲Aتا۳۰۲J)میں وفاقی شرعی عـدالت سـے متعلـق کچھ احکامـات درج کئے گئے ہیں۔ان دفعات پر غور کـرنے سـے منـدرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

(الـف)وفـاقی شـرعی عـدالت کے دائـرہ کـار سـے مستثنیٰ امور

دفعہ۲۰۳Bاس فصـل میں ذکرکــردہ تعریفــات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتی ہے:

Promotion of social and economic well being of the people 38. The State shall-

....

(f) eliminate riba as early as possible. [PART II, CHAPTER 2. - PRINCIPLES OF POLICY, Article 38].

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

[2] باب دوم:فصل دوم، دوسرا تناقض،دفعہ ۲۷۰ الف

''قانون میں ہر ایسا رواج یا عرف شامل ہے جوقانونی قوت کاحامل ہو.........لیکن اس میں دستور،مسلمانوں کے شخصی امورسے متعلقہ قوانین،کسی بھی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قانون،یااس باب کے نافذالعمل ہونے کے دس سال بعدتک ہرقسم کے مالی قوانین،یا محصولات اورفیسوں کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین،یابینکاری اور بیمہ کے عمل اور کے طریقۂ کارسے متعلقۂ قوانین شامل نہیں ہوں گے''۔[1]

اس دفعہ کاجائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دستوربنانے میں کس قدر مکروفریب اورشیطنت سے کام لیاگیاہے ،اورقوم کے ساتھ کیساسنگین مذاق کیا گیاہے:

(۱)اس فصل کے ابتدائی حصے میں ہی دستورسازوں نے نہایت سلیقے کے ساتھ وفاقی شرعی عدالت سے تمام اہم اختیارات سلب کرلیے ہیں۔نتیجتاً یہ عدالت ایک ایسا بے بس سامحکمہ بن کررہ گیا ہےجو شریعت نافذکرنے سے کلی طور پر عاجز ہے:

اولاً،اس دفعہ نے شرعی عدالت کو دستورکا جائزہ لینے سے روک دیاہے،جس سے واضح ہوتاہے کہ:

الف ۔وفاقی شرعی عدالت ایک کمزوراوربے بس ادارہ ہے کیونکہ اسے یہی حق حاصل نہیں کہ وہ

[1] اصل عبارت یوں ہے:

203B. Definitions
203B. In this Chapter, unless there is anything repugnant in the subject or context,-
....
(c) "law" includes any custom or usage having the force of law but does not include the Constitution, Muslim personal law, any law relating to the procedure of any court o tribunal or, until the expiration of ten years from the commencement of this Chapter, any fiscal law or any law relating to the levy and collection of taxes and fees or banking or insurance practice and procedure [PART VII The Judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203B].

دستورپاکستان کا جائزہ لے.........حالانکہ دستورتوان کے نزدیک ''ابوالقوانین''اور قانون سازی کااصل مصدرہے۔ گویاوفاقی شرعی عدالت کو اتناحق بھی نہیں کہ یہ قانون سازی کے مصدرکا جائزہ لے سکے ،جبکہ اس کے برعکس،پاکستان کی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دستوری دفعات کی تشریح وتفسیرکرے۔اس حوالے سے ہم گزشتہ صفحات پر دفعہ ۲الف،دفعہ ۲۷۰الف،اوردفعہ ۴۵پرپاکستانی عدالتوں کی بحث نقل کرچکے ہیں۔

صرف یہی نہیں،بلکہ دستورکی دفعہ ۱۸۴توسپریم کورٹ کو مکمل اختیاردیتی ہے کہ وہ ان تمام معاملات میں فیصلہ صادرکرے جو دستور میں بیان کردہ''بنیادی حقوق''سے تعلق رکھتے ہیں۔[1]

یہ بات بھی ہم پہلے ذکرکرچکے ہیں کہ دستورِپاکستان کئی ایسی دفعات پر مشتمل ہے جو شریعت سے واضح طور پر متصادم ہیں اور ان میں سے بعض کے خلافِ شرع ہونے کا اعتراف خود پاکستانی عدالتوں نے بھی کیاہے.........لیکن اس کے باوجودوفاقی شرعی عدالت کو ان دفعات کے حوالے سے ایک حرف بھی کہنے کااختیارنہیں۔

چہ وفاقی شرعی عدالت کو تویہ حق حاصل نہیں کہ وہ دستورکا جائزہ لے ،لیکن دستورِپاکستان کووفاقی شرعی عدالت پر مکمل اختیاراورغلبہ حاصل ہے۔جیسا

[1] اصل عبارت یوں ہے:
Original Jurisdiction of Supreme Court 184.......................................
(3) Without prejudice to the provisions of Article 199, the Supreme Court shall, if it considers that a question of public importance with reference to the enforcement of any of the Fundamental Rights conferred by Chapter 1 of Part II is involved, have the power to make an order of the nature mentioned in the said Article. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 184].

کہ ہم پہلے ذکرکرچکے ہیں،دستورکی دفعات۲۳۸اور ۲۳۹ارکانِ پارلیمان کو بلاکسی قیدوشرط یہ حق دیتی ہیں کہ وہ جیسے چاہیں دستور کے احکام میں ترمیم و تبدیلی اور تغیروابطال کریں،چنانچہ اگردوتہائی ارکانِ پارلیمان''وفاقی شرعی عدالت"کو ''انسدادِشریعت عدالت''میں بدلنا چاہیں توان پر کوئی پابندی نہیں کیونکہ وہ قانون سازی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔اس سادہ سی مثال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ :

⋆پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ شریعت کو نہیں حاصل،بلکہ عوام اور عوامی ارادہ ہی حاکم اعلیٰ ہے اور پارلیمان کی غالب اکثریت کی رضانظام چلانے والوں کے نزدیک عوامی رضامندی ہی کی دلیل ہے۔اس بات سے قطعِ نظرکہ کیا واقعتاً ارکانِ پارلیمان امت کے نمائندے ہیں یا نہیں.........یہ بات توبہرحال ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ نہ تو شریعت کوحاصل ہے ،نہ ہی قرآنِ کریم اورسنت مطہرہ کو،اقتداراعلیٰ کی مالک تو وہ دیگر قوتیں ہیں جو پاکستان کو اسلام سے دورلے جارہی ہیں اوراپنی خواہشات کے مطابق اہلِ پاکستان کی قسمت سے کھیل رہی ہیں۔

⋆اس مثال سے یہ بھی واضح ہوجاتاہےکہ دستورِ پاکستان نے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسے شریعت اورکتاب وسنت کی حاکمیت پر مبنی ایک اسلامی ریاست بنانے کے لئے جو وسائل وذرائع تجویز کئے ہیں،وہ اتنے ناقص وبودے ہیں کہ ان سے کبھی بھی نفاذِ اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً،اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو مسلمانوں کے شخصی امور سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لینے سے بھی روک دیا گیاہے۔''اسلامی ''جمہوریۂ پاکستان کے ''اسلامی''دستورمیں پائے جانے والے ان تضادات کا حل تو میری سمجھ سے بالاتر ہے؟اگرایک شرعی عدالت

مسلمانوں کے شخصی امورسے متعلقہ قوانین کا جائزہ بھی نہیں لے گی ،تو آخرکس کے شخصی امورسے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے گی؟مشرکین عرب کے ....!؟فرعونِ مصرکے.........!؟یا اسرائیلی یہودیوں کے.........!؟عربی زبان کی مشہور ضرب المثل ہے.........''شرالبلیة ما یضحک''،بدترین مصیبت وہ ہوتی ہے جس پر ہنسی آئے۔

ثالثاً،اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق بھی نہیں کہ وہ کسی عدالت اور ٹریبونل کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قوانین کا جائزہ لے۔یہ حق سلب کرنے سے شرعی احکام سے کھیلنے اور دینی تعلیمات سے انحراف کا دروازہ چوپٹ ہوجاتا ہے۔عدالتی کاروائیوں سے متعلقہ قوانین توانتہائی اہمیت کے حامل ہیں،مثلاًدعویٰ قبول یا رد کرنا،عدالت کے دائرۂ اختیار کا تعین ،گواہی،وکالت،اثباتِ جرم کے دلائل ،اثباتِ جرم کے وسائل وذرائع،قانون ودستورکی تفسیرکا عدالتی حق،عدالتی فیصلوں کے ابطال اور ان میں ترمیم کا حق اور ایسے اہم ترین مسائل عدالت کے ضابطۂ کار سے متعلقہ قوانین کے تحت ہی آتے ہیں.........لیکن وفاقی شرعی عدالت کو یہ حق نہیں حاصل کہ وہ ان کاجائزہ لے یا انہیں زیربحث لائے۔اس سے یہ تلخ حقیقت کھل کرسامنے آتی ہے کہ پاکستان میں بیک وقت دوعدالتی نظام چل رہے ہیں ،ایک عاجز ،کمزور اورناقص اختیارات کا حامل نظام جو وفاقی شرعی عدالت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور دوسراوہ سیکولر عدالتی نظام جو پاکستان کی باقی تمام عدالتوں میں جاری وساری ہے۔

رابعاً،اسی طرح وفاقی شرعی عدالت کو دس سال کی مدت کے لئے ہر قسم کے مالی قوانین،یا محصولات کے عائد ہونے اور ان کی وصولی سے متعلقہ قوانین ،یابینکاری اوربیمہ کے عمل اور اس کے طریقۂ

کار سے متعلقہ قوانین پر بحث کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ پابندی اب بھی جاری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ امر تو بہرحال ایک حقیقت ہے کہ سود اور سودی احکامات وقوانین آج بھی پاکستان میں رائج ہیں نیز یہ بات بھی کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت پر لگائی گئی اس پابندی کا اصل فائدہ پاکستان کے حکمران طبقہ کو پہنچتا ہے، جو اس ذریعہ سے اپنی مالی بدعنوانیوں پر پردہ ڈالنے، اپنی حرص وطمع پوری کرنے اور اپنے داخلی وخارجی لین دین کو مکمل تحفظ دینے کا متمنی ہے۔

(ب)وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل میں پائی وانے والی خامیاں

دفعہ ۲۰۳C میں وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل پر بات کی گئی ہے[1]۔ذیل میں اس دفعہ کے مندرجات پر اٹھنے والے اعتراضات درج کئے جارہے ہیں:

(۱)اس دفعہ کی شق۳اور شق ۳الف میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اورججوں کی اہلیت پر بات کی گئی ہے اور شرائطِ اہلیت میں ''عادل''(پابندِ شرع)ہونے کا تذکرہ نہیں کیا گیا،حالانکہ اس شرط پرتوبلااختلاف تمام علمائے امت کا اجماع ہے،پس ایک توججوں کے تعین میں ہی شریعت کی عائدکردہ شروط کی مخالفت کی گئی ہے،اورپھراس بات کا اندازہ کرناتوزیادہ مشکل نہیں کہ جب غیرعادل ججوں کو عدالت میں شامل کرکے انہیں قوانین کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا جائزہ لینے پرمامور کیاجائے گاتواس سے کس قدر بگاڑ پیداہوگا۔اس پر مستزاد یہ کہ اسی دفعہ کی شق ۲نے شرعی عدالت کے ججوں اور چیف جسٹس

[1] اصل عبارت یوں ہے؛

203C. The Federal Shariat Court
203C. ....
(2) The Court shall consist of not more than eight Muslim Judges, including the Chief Justice, to be appointed by the President.
(3) The Chief Justice shall be a person who is, or has been, or is qualified to be, a Judge of the Supreme Court or who is or has been a permanent Judge of a High Court. (3A) Of the Judges, not more than four shall be persons each one of whom is, or has been, or is qualified to be, a Judge of a High Court and not more than three shall be Ulema who are well-versed in Islamic law.
....
(4B) The President may, at any time, by order in writing,-
(a) modify the term of appointment of a Judge;
(b) assign to a Judge any other office ; and
(c) require a Judge to perform such other functions as the President may deem fit; and pass such other order as he may consider appropriate.
....
(7) Before entering upon office, the Chief Justice and a Judge shall make before the President or a person nominated by him oath in the form set out in the Third Schedule. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article
203c].

کے تعین کا اختیارصدرِ مملکت کو تفویض کیا ہے۔پس جب مشرف وزرداری جیسے لوگ شرعی عدالتوں کے جج چنیں گے(جبکہ جج بننے کے لئے 'عادل'ہونابھی لازم نہ ہو)توہرشخص خود ہی سوچ سکتا ہے کہ ایسی''شرعی عدالت''کیسے ظلم وفساد کا باعث بنے گی؟

(۲)اسی دفعہ کی شق ۴ب میں صدرِ مملکت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ ججوں کے تعین کی شروط مقرر کرے،یاجج کو کوئی دوسرامنصب سونپ دے،یا منصبِ قضاء کے ساتھ ساتھ کچھ دیگرذمہ داریاں بھی اس کے حوالہ کردے۔اس شق پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا،قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ جب صدرِ پاکستان کو.........مشرف وزرداری جیسے دین سے جاہل لوگوں کو.........شرعی عدالت سے متعلق اس قسم کے وسیع اختیارات دے دئیے جائیں توکیا عدالت محض ایک مذاق نہیں بن جائے گی؟نیزاس شق پر تفصیلی تبصرہ سے میں اس لئے بھی گریزکروں گاکہ اس کتاب میں میرے پیشِ نظر محض دستورمیں موجودبنیادی شرعی مخالفتوں پر توجہ دلانا ہے،وگرنہ اگر میں ان حیلہ بازیوں کی تفصیل میں جاؤں تو یہ کتاب انتہائی ضخیم ہوجائے۔

(۳)اسی دفعہ کی شق۷ وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور ججوں سے اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنے منصب پر فائز ہونے سے پہلے صدرِ مملکت یا اس کے نمائندے کے سامنے حلف اٹھائیں[1]۔اس

[1] اس حلف کی اصل عبارت یہ ہے:
1CHIEF JUSTICE] OR 3[JUDGE OF THE FEDERAL SHARIAT COURT [Article 203C (7)]
(In the name of Allah, the most Beneficent, the most Merciful.)
I----------------------, do solemnly swear that as the Chief Justice (or a Judge) of the Federal Shariat Court, I will discharge my duties, and perform my functions, honestly, to the best of my ability and faithfully, in accordance with law;

حلف میں نہ توشریعت کا ذکر ہے ،نہ ہی قرآن وسنت کا،بلکہ جج اور چیف جسٹس صرف اس بات پر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پاکستانی قانون کے مطابق ادا کریں گے۔اس حلف میں مندرجہ ذیل نمایاں خرابیاں پائی جاتی ہیں:

اولاً،کوئی مسلمان کسی ایسے قانون کی پابندی کا حلف کیسے اٹھاسکتا ہے جو شرعی مخالفتوں سے بھراپڑا ہے؟کیا شرعی عدالت اسی لیے نہیں بنائی گئی کہ قانون کو شرعی مخالفتوں سے پاک کیا جائے؟پس یہ حلف اٹھانا شرعاً حرام ہے۔

ثانیاً،یہ حلف خود بھی ایک تضاد کا مظہر ہے۔کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ ایک جج سے قانون کی تصحیح ودرستی کا مطالبہ بھی کیاجائے اوراسے اسی قانون کا پابند بھی بنادیاجائے؟

(ج)وفاقی شرعی عدالت اور دیگر عدالتوں کے دائرہ کار مختلف ہونے کانتیجہ

دفعہ G۲۰۳کے مطابق سپریم کورٹ سمیت کوئی بھی عدالت یاٹریبونل یہ حق نہیں رکھتی کہ وہ کسی ایسے معاملے کی نسبت کاروائی پر غور کرے یا اپنے اختیارِسماعت استعمال کرے جو وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار یا اختیارِ سماعت میں داخل ہو۔

پاکستانی عدالتوں نے اس دفعہ سے ناجائزفائدہ اٹھاتے ہوئے بینکوں کے قوانین پر کئے گئے اعتراضات کو رد کیا۔مثلاً منی چینجر کمپنی ایکٹ کی شق ''۱۵۔S''.........جس میں ''مارک اَپ ''کے متعلق بات کی گئی ہے۔........کے خلاف اپیل کو رد کرتے ہوئے عدالتوں نے جودلائل پیش کئے ان میں درج ذیل امور بھی شامل تھے:

And that I will not allow my personal interest to influence my official conduct or my official decisions. May Allah Almighty help and guide me (A'meen).

(۱)مدعی کے لئے یہ مقدمہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی لے جاناممکن ہے۔[1]

(۲)دستور کی دفعہ G ۲۰۳کے مطابق شرعی عدالت کے علاوہ کسی بھی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ پاکستانی قوانین اور شرعی احکامات کے مابین تعارض کا جائزہ لے۔[2]

.........حالانکہ جن عدالتوں نے مذکورہ دلیل کی بنیاد پران قوانین کا جائزہ لینے سے انکار کیا ان کا فرض بنتاتھاکہ بذاتِ خود اس مقدمہ کو شرعی عدالت کی طرف بھیجیں اور سودی معاملات کی اجازت دینے اور شرعی احکامات سے بھاگنے کے ببجائے اپنے فیصلے کو شرعی عدالت کا فیصلہ آنے تک مؤخر کریں،کیونکہ یہ مقدمہ محض مدعی کے ذاتی مسئلے تک محدود نہیں تھا،بلکہ اس میں کرنسیوں کے تبادلے کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک عمومی اور اصولی سوال اٹھایاگیاتھا۔

یہاں میں آپ کی توجہ سابقہ صفحات میں مذکور کراچی ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی طرف بھی مبذول کراناچاہوں گا جس میں جج نے یہ کہاتھا کہ عدالتوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی قانون کے شریعت سے موافق یا متصادم ہونے کا جائزہ لیں[3]۔اسی طرح ۱۴جنوری۱۹۹۲کو صادرکردہ لاہور ہائی کورٹ کے تمام ججوں پر مشتمل پینل کا وہ فیصلہ بھی ذہن نشین رہے جہاں.........صدرِ مملکت کی طرف سے سزائے موت کے احکامات میں تبدیلی کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے ....یہ کہاگیاتھاکہ شرعی عدالت کے ساتھ ساتھ تمام ہائی کورٹ بھی اپنے اپنے دائرۂ

[1] 2001 CLC 158

[2] 2001 MLD 577, 2001 YLR 1135, 2001 YLR 38, 2001 MLD 1996

[3] محمدحسین کے خلاف حبیب بینک لمیٹڈکا مقدمہ(PLD 1987 Karachi 612)

اختیار میں پاکستانی قوانین وشریعت کے تعارض کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(۳)یہ دلیل بھی اختیارکی گئی کہ ماضی میں ہونے والے منی چینجنگ کے ان معاملات کا اب جائزہ لیناممکن نہیں،کیونکہ عدالتی فیصلے تو مستقبل کے لئے مؤثر ہوتا ہے۔پس جو معاملات اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہوں جب پاکستانی قانون میں انہیں جرم نہیں قراردیاگیاتھا،تو ان پر تو عدالتی فیصلہ اثرانداز نہیں ہوتے۔[1]

ہم دوسرے باب کی دوسری فصل میں بھی بیان کرچکے ہیں کہ دستورِ پاکستان کا یہ اصول خلافِ شریعت ہے اور اسی اصول کا شاطرانہ استعمال کرتے ہوئے پاکستان میں آج تک سودی معاملات کو برقرار رکھا گیا ہے۔

زیرِ بحث مقدمہ میں بھی دوفریق جج کے سامنے حاضرہیں جن میں سے ایک اپنے شرعی حق کا مطالبہ کررہا ہے ،لیکن جج شرعی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے فریق کے حق میں فیصلہ سناتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ جب تک کسی شرعی مخالفت کو قانوناًجرم نہ قراردیاجائے اس وقت تک اس کاارتکاب جائز اور حلال ہوتا ہے۔آپ خود ہی بتائیے کیا اس جج کو ''جہالت''عذردیاجاسکتا ہے؟کیا اسے نہیں پتہ کہ قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی سود کو حرام قراردے دیاتھا؟ کیا ایک جاہلی اصول کی تطبیق کے ذریعے شرعی مخالفتوں کو جواز بخشنے والے اس جج کو محض اس بنیاد پر معافی مل سکتی ہے کہ یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ شریعت کوحاصل ہے؟؟

[1] 2001 CLC 158

الغرض، یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاں ایک طرف پاکستان کی تمام عدالتیں اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ سودی لین دین اصولاً خلاف شرع ہے، وہیں انہی سب عدالتوں نے مختلف حیلے بہانوں سے سودی لین دین کو عملاً جواز بخشا ہے اور سود کو باطل قرار دینے والے قوانین بھی معطل کررکھے ہیں۔[1]

(د) دیگر عدالتوں کی نسبت وفاقی شرعی عدالت کی کمترحیثیت

دفعہ ۲۰۳ H کہتی ہے کہ کسی عدالت میں چلنے والی قانونی کاروائی کو اس بنیاد پر مؤخر یا معطل نہیں کیا جاسکتا کہ وہاں زیرِ بحث مقدمہ کا تعلق کسی ایسے قانون سے ہے جس کی شرعی حیثیت کے حوالے سے شرعی عدالت میں بھی اعتراض اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ نہ صرف اس مقدمہ کی سماعت قانون کے مطابق جاری رہے گی بلکہ رائج الوقت قانون ہی کی روشنی میں مقدمہ کا فیصلہ بھی سنادیا جائے گا۔

اسی طرح نہ تو شرعی عدالت اور نہ ہی سپریم کورٹ یہ اختیار رکھتی ہے کہ شرعی عدالت کے دائرۂ کار میں شامل امور سے متعلق کوئی مقدمات اگر دیگر عدالتوں میں جاری ہوں تو ان کے حوالے سے کوئی ہدایات یا عبوری حکم صادر کرسکے۔[2]

---

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 203G p: 354 & 355.

[2] اصل عبارت یوں ہے:

Pending proceedings to continue, etc.
203H. (1) Subject to clause (2) nothing in this Chapter shall be deemed to require any proceedings pending in any court or tribunal immediately before the commencement of this Chapter or initiated after such commencement, to be adjourned or stayed by reason only of a petition having been made to the Court for a decision as to whether or not a law or provision of law relevant to the decision of the point in issue in such proceedings is repugnant to the Injunctions of Islam; and all such proceedings shall continue, and the point in issue therein shall be decided, in accordance with

یعنی خود پاکستانی دستور اس بات کا اقرارکررہاہے کہ پاکستان میں دوقسم کے عدالتی نظام قائم ہیں ۔ ایک تووہ اصلی اورغالب نظام ہے جو سیکولر ہے اور شرعی عدالت جس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی ۔ دوسرا ایک تابع اور کمترنظام ہے جو شرعی عدالت کی صورت میں جاری ہے۔گوکہ بظاہر یہ شرعی عدالت اس لئے تشکیل دی گئی تھی کہ پاکستانی قوانین کو شریعت کے موافق بنایاجائے،لیکن اس کی تشکیل کو پینتیس سال گزرجانے کے باوجود بھی پاکستان میں غیرشرعی قوانین مسلسل بڑھتے اور پھیلتے چلے جارہے ہیں۔

ایک جانب تو شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کو دیگر عدالتوں میں چلنے والے ایسے مقدمات میں مداخلت سے روکاگیاہے جہاں شرعی عدالت کے دائرۂ کار میں شامل امور زیرِ بحث ہوں،جبکہ دوسری جانب دستور کی دفعہ ۱۸۶الف سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ اگر وہ مصلحت سمجھے تو انصاف کے تقاضے پورا کرنے کی خاطر کسی بھی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو کسی دوسرے ہائی کورٹ میں منتقل کرسکتی ہے۔[1]

---

the law for the time being in force.

....

(3) Neither the Court nor the Supreme Court shall in the exercise of its jurisdiction under this Chapter have power to grant an injunction or make any interim order in relation to any proceedings pending in any other court or tribunal. [PART VII the judicature, CHAPTER 3A. - FEDERAL SHARIAT COURT, Article 203H].

[1] اصل عبارت یوں ہے:

Power of Supreme Court to transfer cases 186A. The Supreme Court may, if it considers it expedient to do so in the interest of justice, transfer any case, appeal or other proceedings pending before any High Court to any other High Court. [PART VII The Judicature, CHAPTER 2. - THE SUPREME COURT OF PAKISTAN, Article 186A].

یعنی اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے دستور کے مطابق سپریم کورٹ اگر مصلحت سمجھے تو ایک ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں تومنتقل کرسکتی ہے،لیکن اسے اس بنیاد پر کسی مقدمے کی کاروائی رکوانے کا اختیار نہیں کہ مقدمہ ایک خلافِ شرع قانون یا شرعاً متنازعہ قانون کے مطابق چل رہا ہے ۔اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کے عدالتی نظام میں وفاقی شرعی عدالت کو ایک کمتر وزیر دست حیثیت حاصل ہے۔

ایک شبہے اور اس کاجواب

اس اعتراض کے جواب میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر قوانین کے شرعاً متنازعہ ہونےکی بنیاد پر عدالتی کاروائیاں روکی جائیں توپھر عدالتی نظام ہی معطل ہوکررہ جائے گااور لوگ اس چیز کوعدالتی کاروائیوں میں خلل ڈالنے کا ذریعہ بنالیں گے۔

اس شبہے کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اولاً:یہ اعتراض اس وقت کیوں نہیں کیاگیا جب پاکستانی دستورنے سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا کہ وہ مصلحتِ انصاف کے پیش نظر کسی ہائی کورٹ میں جاری مقدمے کو دوسری ہائی کورٹ میں بھیج سکتی ہے؟

ثانیاً:ریاست پاکستان کا اصل مسئلہ یہی ہے۔شرعی عدالت کو اپنے ناقص وعاجز اختیارات کےساتھ وجود میں آئے پینتیس سال گذرچکے ہیں ۔اگر پاکستانی حکام واقعتاً اسلامی قوانین کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو اتنے عرصے میں وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات کی بنیاد پر قوانینِ پاکستان پر نظرِ ثانی اور ان کی تصحیح ہوچکی ہوتی۔لیکن حکمران طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو ایک غیر فعال نمائشی ادارہ بناکر رکھیں جس کا واحد مقصد یہ ہو کہ اس عدالت

کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی وشرعی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

([illegible]) بہت سے احکامات کو شرعی عدالت سے بالاترقانونی تحفظ حاصل ہے

گذشتہ صفحات میں ہم ان دستوری دفعات پر تفصیلاً بحث کرچکے ہیں جو بہت سے تصرفات ،اوامراوراحکامات کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں۔[1] نیز صدرِ پاکستان کو سزائیں معاف کرنے کا جواختیارحاصل ہے،[2] اس پر بحث کے دوران بھی ہمارے سامنے ایسے بہت سے تصرفات ،احکامات،قوانین، صدارتی فرامین اور قواعدوضوابط کی مثالیں گزری ہیں جنہیں کسی بھی شرعی عدالت میں چیلنج نہیں کیاجاسکتا۔یہ ساری بحث قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے گزرچکی ہے لہٰذایہاں محض اس سمت اشارہ کرنےپر اکتفاکیاجارہا ہے۔

خلاصۂ کلام

اسی طرح وفاقی شرعی عدالت سے متعلقہ دفعات.........جن پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کرچکے ہیں.........کاجائزہ لینے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس عدالت کے اختیارات انتہائی محدود ہیں،یہ دیگر ملکی عدالتوں کی نسبت کمتراورزیردست ہے اور یہ پاکستانی نظام کو اسلا م کے مطابق ڈھالنے کی قوت سے یکسر محروم ہے۔اسی طرح اس کے ججوں کے لئے بھی اہلیتِ قضاء کی شرعی شروط مقرر نہیں کی گئیں،نہ اس کا جج بننے کا حلف شریعت کے

[1] باب دوم:فصل دوم:دوسرا تناقض
[2] باب دوم:فصل دوم:تیسرا تناقض

مطابق ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ دستورکے مطابق صدرِپاکستان شرعی عدالتوں کے ججوں کے ساتھ ہرقسم کے کھیل تماشے کرنے کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

ایک اعتراض اوراس کاجواب

ممکن ہے کوئی شخص یہ ساری بحث پڑھ کرکہے کہ آپ نے وفاقی شرعی عدالت کے حوالے سے جو کچھ کہا.........کہ یہ ادارے پاکستانی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے عاجزوقاصرہے اور ملک کے عدالتی نظام میں بھی اسے زیر دست حیثیت حاصل ہے.........یہ سب باتیں ٹھیک ہیں، لیکن یہ تو درست سمت کی جانب پہلا قدم ہے،پھر آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں؟اس شخص کو ہم جواباً کہیں گے کہ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ یہ ادارے بعض قوانین کے خلافِ شرع ہونے کی نشاندہی کردیتاہے،ہمیں تو اعتراض اس بات پر ہے کہ:

(۱)وفاقی شرعی عدالت کے وجود کو پاکستانی نظام کے اسلامی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیاجائے۔

(۲)اسے حجت بناکر کہاجائے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب لانے کی تمام کوششیں نظام کے اندررہ کر اور دستوروقانون کی پابندی کرتے ہوئے کی جانی چاہیے ہیں۔

(۳)اسے ان لوگوں کے خلاف دلیل بنایاجائے جو اسلام سے باغی اس نظام کے خلاف زبان و عمل سے برسرِپیکار ہیں۔

اس ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے میں ایک مثال کے ذریعے اپنی بات سمجھاناچاہوں گا۔پاکستان کی مثال ایک ایسے مریض کی سی ہے جسے سرطان جیسا موذی مرض لاحق ہواور وہ مریض سخت تکلیف میں مبتلاہو، ایسے میں ایک شخص اسے ڈسپرین کی گولی دے اور

جب کوئی دوسراشخص اس علاج پر اعتراض کرے تو پہلا شخص کہے کہ تم مجھ پر تنقید کیوں کررہے ہو جبکہ میں مریض کی تکلیف کم کرنے ہی کے لئے کوشاں ہوں؟تو دوسراشخص اسے کہتا ہو کہ مجھے تمہارے ڈسپرین دینے پر اعتراض نہیں،بلکہ اعتراض اس بات پر ہے کہ تمہارے خیال میں ڈسپرین دینے سے اس کی تکلیف دور ہوجائے گی یا سرطان جیسا مہلک مرض ٹھیک ہوجائے گا؛اور یہ ناقص فہم رکھتے ہوئے الٹا تم مجھے ہی برابھلا کہہ رہے ہوحالانکہ میرامطالبہ توصرف اتناہے کہ اس موذی مرض کو جڑ وں سے اکھاڑ پھینکے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگااور یہ ٹھوس علاج بہرحال محنت اور جدوجہد مانگے گا۔بس یہی فرق ہے ہمارے اور ان لوگوں کے موقف میں جو جزوی سی تبدیلیوں کے ذریعے پاکستانی نظام کا علاج کرنا چاہتے ہیں،جبکہ مہلک امراض اس نظام کی جڑوں تک اترے ہوئے ہیں۔

پانچویں فصل

دستورکاحصہ نہم،اسلامی احکام،دفعہ۲۲۷تا۲۳۱

دستورکے حصہ نہم میں''اسلامی احکام''کے عنوان تلے کئی دفعات درج کی گئی ہیں جن پر ہم اس فصل میں تبصرہ کرناچاہیں گے:

الف۔دفعہ۲۲۷

یہ اس حصے میں شامل اہم ترین دفعہ ہے جس میں درج ہے کہ:

''تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات کے موافق بنایاجائے

گا.........،اورکوئی ایسا قانون نہیں بنایاجائے گا جوان احکامات کے خلاف ہو''۔[1]

اس دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے میں کہناچاہوں گاکہ:

(۱)اس عبارت میں مستقبل کا صیغہ استعمال کیا گیاہے،یعنی یہ ایک وعدہ ہے.........ایک ایسا وعدہ جو اب تک وفا نہیں ہوسکا۔

۱۹۵۶ءکا دستور،جسے دوسری دستورساز کمیٹی نے منظورکیاتھا،اس میں بھی ایسی ایک دفعہ وضع کی گئی تھی جو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے متصادم ہر قسم کی قانون سازی سے روکتی تھی[2]۔پھر اسی دفعہ کے تقاضے پورے کرنے کی غرض سے ایک کمیشن تشکیل دیاگیاتھاجس کے ذمہ بعینہ اسی ذمہ داری کی انجام دہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۲۲۷بیان کرتی ہے،یعنی یہ کہ موجودہ قوانین کو شریعت کے موافق بنانا،اس کے لیے مراحل طے کرنا،پانچ سال کے اندراندر دستورساز کمیٹی کے سامنے اپنی سفارشات پیش کرنا،اورپھر کمیٹی کا.........ان کے مطالعے وجائزے کے بعد.........ان کے مطابق قانون

---

[1] اصل عبارت یہ ہے:
227. Provisions relating to the Holy Quran and Sunnah
227. (1) All existing laws shall be brought in conformity with the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the Injunctions of Islam, and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunctions.
1[Explanation.-In the application of this clause to the personal law of any Muslim sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted by the sect.]
(2) Effect shall be given to the provisions of clause (1) only in the manner provided in this Part.
(3) Nothing in this Part shall affect the personal laws of non-Muslim citizens or their status as citizens. [PART IX Islamic Provisions, Article 227].

[2] دستورِ ۱۹۵۲ء،دفعہ ۱۹۳

سازی کرنا[1]۔لیکن سالہاسال بیت جانے کے باوجود بھی قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالنے اور خلافِ شرع قوانین کے خاتمے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

اسی طرح ۱۹۴۸ء میں منظور ہونے والی قراردادِ مقاصد،جو آئندہ تمام دساتیر کا دیباچہ قرارپائی ،میں مذکور وعدے کا تذکرہ بھی ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ قراردادِ مقاصد درج ذیل ہے:

''مسلمانوں کو انفرادی،ذاتی اوراجتماعی طورپر اس قابل بنایاجائے گاکہ وہ اپنی ساری زندگی اسلامی تعلیمات،تشریحات اور ضروریات کے حسبِ منشا،جس طرح قرآنِ کریم اور سنتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا تعین کیا گیاہے،ترتیب سے سکیں''۔

اسی طرح دفعہ ۳۱''اسلامی طرززندگی''میں کیاگیاوعدہ بھی گزرچکاہے جس میں درج ذیل ہے:

''پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لئے اورانہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآنِ کریم اورسنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کے اصل مفہوم سے روشناس ہوسکیں''

یہ دفعہ تقریباًاسی صورت میں ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھی[2]۔

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

[2] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

اسی طرح دستور کی دفعہ ۳۸ میں یہ وعدہ کیا گیاکہ:

''عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح وبہبود کی خاطر جس قدر جلدممکن ہوسودکو ختم کیاجائے گا''۔

یاد رہے کہ یہی عبارت۱۹۵۶ءکے دستور میں بھی شامل تھی[1]۔

توگویاساٹھ سال بعدہمارے ساتھ بار بار وعدے کئے جارہے ہیں جن میں سےایک بھی اب تک پورا نہیں ہوسکا۔بلکہ اگر زیادہ وضاحت سے کہنے کی اجازت ہو تو ساٹھ سال سے پاکستان کے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھاگیااور ان کے جذبات اور دینی حمیت سے مسلسل کھیلاجارہاہے۔نیز یہ بھی ایک معلوم شدہ حقیقت ہے کہ جو شخص یہ کہے میں ایک ماہ بعد یا قریب ترین وقت میں اسلام قبول کرلوں گا،یا یوں کہے کہ ایک ہفتہ بعد یا جونہی مجھے مناسب وقت ملا میں نماز پڑھنے لگوں گا.........توایسے شخص کومسلمان یا نمازی نہیں سمجھاجائے گا۔بالکل اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ عنقریب میں شریعت کی حاکمیت قائم کردوں گا،اسے اس وقت تک شریعت قائم کرنے والااور اس کا تابع فرمان نہیں مانا جائے گاجب تک وہ عملاً شریعت کی حاکمیت قائم نہ کرلے۔حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:۶۵)

''تمہارے پروردگارکی قسم!یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں مصنف نہ بنائیں اور جو فیصلے تم کردواس سے اپنے دل میں تنگی

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

محسوس نہ کریں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں ،تب تک یہ مؤمن نہیں ہوسکتے''۔

(۲)اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ دستور لکھنے والوں نے انتہائی بدنیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفعہ ۲۲۷ میں صرف ''قوانین ''کا ذکر کیا ہے اور ''دستور''کے حوالے سے ایک حرف بھی نہیں لکھا،حالانکہ خود دستور بھی اسلام مخالف نصوص پر مشتمل ہے ،جیسا کہ پاکستانی عدالتیں بھی بعض دستوری دفعات کے حوالے سے اس امر کا اقرار کرچکی ہیں۔گویادفعہ ۲۲۷دستور میں پائے جانے والےخلافِ شرع امورپر گرفت کرنے اختیار نہیں رکھتی،حالانکہ پاکستانی قوانین میں پائے جانے والے شرعی انحرافات کی جڑ تو خود دستور ہے ۔لہذا یہ دفعہ بھی دستورِ پاکستان میں موجود باقی جھوٹے وعدوں کی طرح کا ایک وعدہ ہے،خود دستور ہی جس کی گرفت سے مستثنیٰ ہے۔پھریہ کیسے ممکن ہے کہ اس دستوری دفعہ کے ذریعے پاکستانی نظام اپنی موجود ہیئت بدل کر حاکمیتِ شریعت پر قائم ایک خالص اسلامی نظام بن جائے؟

ب۔اسلامی نظریاتی کونسل[1]

اس فصل کی باقی دفعات (۲۲۸تا ۲۳۱)میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور ذمہ داریوں پر بحث کی گئی ہے۔اس کونسل کے ارکان کا تعین صدرِ مملکت کرتا ہے۔دفعہ ۲۳۰اس کونسل کی ذمہ داریوں پر بحث کرتی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:[2]

---

[1] اصل نام یہ ہے:Council of Islamic Ideology

[2] اصل عبارت یوں ہے:

Functions of the Islamic Council 230. (1) The functions of the Islamic Council shall be-

(a) to make recommendations to Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Provincial Assemblies as to the ways and means of enabling and encouraging the Muslims of Pakistan to order their lives individually and collectively in all respects in accordance with the principles and concepts

⋆یہ کونسل وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے سامنے سفارشات پیش کرے گی جن میں ایسے ذرائع اور وسائل تجویز کئے جائیں گے جو پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے اساسی اصولوں اور بنیادی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بناسکیں۔

---

of Islam as enunciated in the Holy Quran and Sunnah;
(b) to advise a House, a Provincial Assembly, the President or a Governor on any question referred to the Council as to whether proposed law is or is not repugnant to the Injunctions of Islam;
(c) to make recommendations as to the measures for bringing existing laws into conformity with the Injunctions of Islam and the stages by which such measures should be brought into effect; and
(d) to compile in a suitable form, for the guidance of Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Provincial Assemblies, such Injunctions of Islam as can be given legislative effect.
(2) When, under Article 299, a question is referred by a House, a Provincial Assembly, the President or a Governor to the Islamic Council, the Council shall, within fifteen days thereof, inform the House, the Assembly, the President or the Governor, as the case may be, of the period within which the Council expects to be able to furnish that advice.
(3) Where a House, a Provincial Assembly, the President or the Governor, as the case may be, considers that, in the public interest, the making of the proposed law in relation to which the question arose should not be postponed until the advice of the Islamic Council is furnished, the law may be made before the advice is furnished : Provided that, where a law is referred for advice to the Islamic Council and the Council advises that the law is repugnant to the Injunctions of Islam, the House or, as the case may be, the Provincial Assembly, the President or the Governor shall reconsider the law
so made.
(4) The Islamic Council shall submit its final report within seven years of its appointment, and shall submit an annual interim report. The report, whether interim or final, shall be laid for discussion before both Houses and each Provincial Assembly within six months of its receipt, and Majlis-e-Shoora (Parliament) and the Assembly, after considering the report, shall enact laws in respect thereof within a period of two years of the final report. [PART IX Islamic Provisions,

یہ وہی وعدہ ہے جو دفعہ ۳۱میں درج ہے، اوراسی سے مشابہ الفاظ میں یہ وعدہ ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی شامل تھا۔[1]

⋆کونسل کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی مجوزہ قانون کے اسلامی تعلیمات کے موافق یا مخالف ہونے کا سوال اس کے سامنے پیش کیاجائے توکونسل وفاقی اسمبلی ،صوبائی اسمبلیوں،صدرِ مملکت یا گورنر کو اس بارے میں مشورہ دے۔

⋆کونسل کی ذمہ داری ہے کہ تمام رائج الوقت قوانین کا جائزہ لے کر ایسے وسائل تجویزکرے جن کے ذریعے انہیں شریعت کے موافق بنایاجاسکے ،اور وہ مراحل بھی مقرر کرے جن میں ان تجاویز پر عمل درآمد ممکن ہوسکے ۔

⋆ایسی اسلامی تعلیمات جنہیں قوانین کی صورت میں نافذ کیاجاسکتا ہے،انہیں موزوں شکل میں پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لئے پیش کرے۔

⋆کونسل اپنے آغاز کےبعدسات سال کے اندراندر اپنی حتمی رپورٹ پیش کرنے کی پابندہوگی،البتہ ساتھ ساتھ عبوری رپورٹ بھی سالانہ بنیادوں پر پیش کرے گی۔پھر اس حتمی رپورٹ کے پیش کئے جانے کے بعد چھ ماہ کے اندر وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں میں اس پر بحث کی جائے گی اورپھر دوسال کی مدت میں اس رپورٹ کے مجوزہ قوانین کو منظور کیا جائے گا۔

''آئندہ""اور''عنقریب''کے اس حساب کے مطابق بھی ضروری تھا کہ ۱۹۸۱ء تک پاکستان میں اسلامی شریعت رائج ہوجاتی!

Article 230].

[1] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 30.

یہاں ہم اپنے معزز اور اصحابِ فہم قارئین کے سامنے یہ بات بھی واضح کرتے چلیں کہ جو مسودۂ دستور ۱۹۴۹ء میں پہلی دستور ساز کمیٹی نے تیار کیا تھا اس میں بھی یہ بات درج تھی کہ علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی تاکہ اسلامی نقطۂ نظر سے قانون سازی کی جاسکے۔ ۱۹۵۶ء میں دوسری دستورسازکمیٹی سے منظور شدہ دستور میں بھی ایک ایسی دفعہ رکھی گئی تھی جو قرآن وسنت سے متصادم قانون سازی سے روکتی تھی[1] اور پھر اس مقصد کے حصول کے لئے بھی ایک کمیشن تشکیل دیاگیاتھا۔ ۱۹۶۲ءکے دستور میں علماء کی کمیٹی اور اس کمیشن کو ''اسلامی مشاورتی کونسل''اور ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی''سے تبدیل کردیا گیا،اورپھر حالیہ دستور میں اس کی جگہ ''اسلامی نظریاتی کونسل''نے لے لی۔[2]

نیز یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ۱۹۵۶ء میں منظور شدہ دستورنے جو کمیشن تشکیل دیاتھااس کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو حالیہ دستور کی دفعہ ۲۲۷میں مذکور ہے،یعنی یہ کہ یہ کمیشن رائج الوقت قوانین کو شریعت کے مطابق ڈھالے گا ،اس عمل کے مختلف مراحل طے کرے گا،پانچ سال کی مدت میں اسمبلی کو رپورٹ پیش کرے گااور پھر اس کا جائزہ لینے کے بعد اسمبلی اس کے مطابق قوانین صادرکرے گی۔[3]

گویا ایک جانب تو ''اسلامی نظریاتی کونسل''نامی ایک ایسا بے بس سا ادارہ ہے جو 'سفارش'و درخواست کرنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں رکھتا؛اور دوسری جانب پاکستان پر مسلط وہی مفسد سیاسی طبقہ ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد سے آج تک جھوٹے وعدوں کی ایک

[1] دفعہ ۱۹۳،دستور ۱۹۵۶ء

[2] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, comments on article 228 p: 385.

[3] THE COSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, Preliminary, 1965 constitution p: 31.

اکتادینے والی تکرارکرتا چلاآرہا ہے اور اس سرزمین کے مسلمانوں کے دینی جذبات سے کھیل کر آج تک کرسی پر قابض ہہہرہی بات نفاذِشریعت کی ،تو اس کے لیے پہلے ایک جھوٹے وعدے کا راگ الاپاجاتا ہے اور جب عوام اسے سن سن کر تھک جاتے ہی توانہیں کسی دوسرے خوشنما سراب کے پیچھے دوڑایاجاتا ہے.........اور یہی سلسلۂ مکروفریب آج تک جاری ہے

یہاں مجھے ایک مشہور لطیفہ یاد آرہا ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں مولانابجلی گھر نے پشاور میں کہاتھا کہ:

> ''اگرشریعت کراچی سے رکشے میں بیٹھ کر آتی توبھی کافی مدت پہلے ہم تک پہنچ چکی ہوتی''۔

اختتامیہ

میری خواہش ہے کہ کتاب کے اختتام پر چند اہم امور قارئینِ کرام کے گوش گزارکردوں:

۱۔پاکستانی ریاست ودستور،تاریخ کے آئینے میں

برصغیر پاک وہندکے مسلمان بھی اسی المیے سے دوچار ہوئے جس سے عصرحاضر میں دیگر بہت سے علاقوں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔''المیے''سے میری مراد یہ ہے کہ قربانیاں توہر جگہ عامۃ المسلمین نے دیں،لیکن ان قربانیوں کے ثمرات کوئی اور لے اڑا۔قربانیوں کے ایک طویل دور کے بعد جب بھی زمامِ اقتدار سنبھالنے کا مرحلہ آیاتوقیادت پر ایسے طبقات قابض ہوگئے جو امت کے عقائد،امنگوں اور خوابوں میں ان کے شریک نہ تھے۔اس بدطینت طبقے نے امت کے ساتھ قدم پر وعدہ خلافی کی اور امت کی قربانیوں سے صریح خیانت کی۔

سیداحمد شہیدرحمہ اللہ کی برپاکردہ تحریکِ مجاہدین کمزورپڑجانے کے بعد شیخ الہند اور سید

حسین احمد مدنی رحمہما اللہ نے ازسرِ نو برطانیہ کے خلاف جہادی تحریک کی بنیادیں ڈالیں،لیکن سلطنتِ عثمانیہ سے مدد کے حصول میں ناکامی اور سقوطِ خلافت کے سبب یہ تحریک بھی ناکامی سے وچار ہوئی اور یہ دونوں حضرات مالٹا میں اسیر ہوگئے ۔پھر ایک مختصر وقفے کے بعد ہند کے مسلمانوں میں ایک عوامی تحریک اٹھی جس نے ہندوؤں (اورانگریزوں)کےظلم وجبرسے خلاصی کے لئے ایک الگ،آزادخطۂ زمین کا مطالبہ کیا۔لیکن دینی مزاج کی حامل اس عوامی تحریکِ آزادی میں کئی ایسے عناصر بھی شامل ہوگئے جو اپنے عقائد وافکار میں عامۃ المسلمین سے بہت مختلف تھے۔

ان عناصر میں انگریزی ثقافت کا تربیت یافتہ اور فرنگی تہذیب کا دالدادہ ایک طبقہ بھی شامل تھا۔اس طبقے کی ذہنی مرعوبیت کے پیچھے بھی کئی عوامل کارفرماتھے:

(الف)مسلمانوں کی عسکری اور جہادی تحریکیں بظاہر ناکام ہوچکی تھیں،اوریہ تو انسانی فطرت ہے کہ وہ طاقت اور صاحبِ طاقت سے متاثر ہوتا ہے۔

(ب)اس طبقے کی پرورش مغربی نظام تعلیم کے تحت ہوئی تھی اور انسان اسی طرزِ زندگی کا خوگر ہوتا ہے جس پر اس کی تربیت ہوئی ہو۔

(ج)عالم اسلام سیاسی ،اجتماعی اور علمی اعتبار سے شدیدبگاڑ کا شکارتھا۔ظلم وجبر اور خودغرضی عام ہوچکی تھی ،اختیار واقتدار زور وزبردستی سے غصب کیا جاتا تھا،امربالمعروف اورنہی عن المنکرجیسے فرائض مٹتے جارہے تھے اور منافقت ،مداہنت،چاپلوسی،بے جاطرف داری اور ناانصافی جیسے رذیل اوصاف پھیل چکے تھے ۔بہت سے علماء ایسی جامد تقلید اختیار کرچکے تھے کہ امراضِ

ملت کی دوا ڈھونڈنے کی بجائے حالات سے لاتعلقی اختیار کرلینا ہی ان کا شیوہ بن گیا تھا۔

(د)یہ طبقہ مغرب،بالخصوص انگریزکی اس جھوٹی دعوت پر ایمان لے آیاتھاکہ وہ آزادی ،انصاف،مساوات اورمظلوموں کی مدد ونصرت کے علمبردار ہیں......... حالانکہ اللہ گواہ ہےکہ پوری انسانی تاریخ میں مغربی ممالک سے زیادہ ظلم وفساد پھیلانے والاکوئی نہیں گزرا۔اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کربیٹھے کہ مغرب کی ظاہری ترقی دین سے دوری اور دین کو محض کلیسا تک محدود کرنے کی مرہونِ منت ہے۔

مغربی عقائدوافکار کا حامل یہ طبقہ امت کوبھی مغربی تہذیب کا دالدادہ بنانے کے لئے مستقل کوشاں رہا،لیکن اسے مشکل یہ درپیش تھی کہ ہند کے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی ایک خاص وصف کی حامل تھی جو اسے عالم اسلام میں برپا ہونے والی بہت سی دیگر تحاریک ہائے آزادی سے ممتاز کرتا ہے۔اس تحریک کا تو بنیادی نعرہ ہی یہ تھا کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کی جائے جو مسلمانوں کی حرمات کی محافظ ہواور ان کے حقوق کی نگہبان ثابت ہو۔پس مسلمانانِ ہند کے اس عمومی دینی مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ مغرب نواز طبقہ اپنے سیکولر عقائداور مغربی تہذیب سے اپنی محبت وقربت چھپانے پر مجبور ہوا تاکہ مسلمانوں کی صفوں میں اس کے لئے کچھ جگہ بن سکے۔یہی نہیں،بلکہ اس طبقہ نے مسلمانوںمیں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ان کےجذبات سے کھیلا اور طرح طرح کےخوشنماوعدے کرکے انہیں اپنے پیچھے چلایا،کبھی ایک سراب کی سمت دوڑایااور کبھی دوسرے کی سمت ،اور عملاًکتاب وسنت کی حکمرانی قائم کرنے کی بجائے ہمیشہ مستقبل کے عہدوپیمان باندھے۔

چنانچہ یہ بات تو اظہر من الشّمس ہے کہ دستورِ پاکستان اور ریاستِ پاکستان کا وجود میں آنابھی اسی کھیل تماشہ کا تسلسل ہے،جس کی دلیل طلب کرنے کی بجائے پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ پاکستان کہاں سے چلا تھااور کن کن مراحل سے گزرتا ہوا آج کہاں کھڑا ہے.........بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگاکہ.........کس گڑھے میں جاگرا ہے؟آج پاکستان کی حیثیت امریکی فوج اور امریکی خفیہ ایجنسیوں کے لیے خدمات مہیاکرنے والی ایک کمپنی کی سی ہے۔اس ملک کے قائدین اورسیاستدانوں کی باگ ڈور کاکُل مقصودیہ ہے کہ کسی طرح اپنے آپ کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ''کے نام پرلڑی جانے والی امریکہ ومغرب کی اسلام دشمن صلیبی مہم میں باقیوں سے بڑھ کر امریکہ وفادار ثابت کرپائیں۔امریکہ کی رضاکی خاطر آج دین وعقیدہ اور نظریۂ پاکستان سمیت ہر شے قربان کی جاچکی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے اس حکمران طبقے نے نہ صرف نفاذِ اسلام کے جھوٹے وعدوں پر مشتمل ایک مغربی طرزکا دستورتشکیل دیاہے،بلکہ اس دستور میں مرحلہ وار ایسی عبارتیں بھی شامل کروائی ہیں جو ان کی بے راہ روی اور فساد کو تحفظ دے سکیں۔یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ''رشوت''پاکستان کے سیاسی معاملات میں ایک اہم ترین عامل بن چکی ہے۔جب بھی کوئی نیاحکمران آتا ہے ،تو ارکانِ پارلیمان اور سیاستدانوں کو مٹھی میں لینے کے لئے امت کا مال رشوت کے طورپر بے دردی سے لٹاتا ہے۔پھر انہی عوامی نمائندوں سے ایسی دستوری ترامیم منظور کرواتا ہے جو اسے ہر قسم کی جواب دہی اور محاسبے سے تحفظ فراہم کرتی ہیں ۔

گزشتہ برسوں میں ساری دنیا نے ہی پاکستانی سیاسی اکھاڑے کے تماشے دیکھے کہ کس طرح پرویزمشرف نے فوجی انقلاب کے ذریعے حکومت پر

قبضہ کیا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ جلدہی ملک کو رشوت،فساد اور بدعنوانی سے پاک کرکے ملکی خزانے سے لوٹاہوا مال سیاستدانوں سے واپس لے گا۔لیکن چند ہی سال بعد اس نے ایسے لوگوں کے ساتھ سیاسی معاہدے کرلئے جنہیں وہ خود کل تک 'چور'کہتا تھااور پاکستان ویورپ میں ان کےخلاف قانونی چارہ جوئی کرتا پھرتا تھا۔ان میں سرفہرست بے نظیربھٹواور آصف زرداری تھے ۔زرداری کو پرویز ہی نے جیل سے رہا کیا اور اس عام معافی پر اعتراض کے جرم میں جسٹس افتخار چوہدری کو معزول کردیا۔پھر دنیا کو یہ تماشہ بھی دیکھنے کو ملا کہ چوروں کا سردار.........کل کا ''مسٹرٹین پرسنٹ''.........امریکہ کو راضی کرکے صدر بن گیا،جبکہ اس بدنام زمانہ چور کی رہائی پر معترض ہونے والا چیف جسٹس معزول ہی رہا۔البتہ اس رضا کے حصول کے لئے زرداری کو یہ عہدوپیمان پیشگی کے طور پر کرنے پڑے کہ وہ امریکہ کی اسلام مخالف جنگ میں اس کے ساتھ ہرممکن تعاون کرے گا۔ان چند مثالوں ہی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پاکستان میں قائم فاسدریاستی نظام ہر قانون سے بالاتر ہے.........شرعی قانون تو دور کی بات ،یہ نظام ملک میں رائج خودساختہ (وضعی)قوانین کی گرفت سے بھی آزاد ہے۔

٢۔کتاب پراٹھنے والے ممکنہ شبہات اور ان کا جواب

زیرنظرکتاب پر دوبنیادی اشکالات کئے جاسکتے ہیں:

(١)پاکستان کے آئینی وجمہوری نظام کے خلاف بغاوت دراصل عوام کی حکمرانی کے خلاف بغاوت ہے۔ اور اس کی آڑ میں استبدادی نظام کے غلبے اور فرِ واحد کی حکمرانی کی سمت دعوت دینا مقصود ہے۔......... اور درحقیقت یہ دین کے نام پر لوگوں کی

قسمت ،حقوق،اموال اور حرمات پر تسلط کی ایک مذموم کوشش ہے۔

(۲)صاحبِ کتاب کا مؤقف ہے کہ پاکستان کے قانونی ودستوری نظام میں اصولی اور مہلک خرابیاں پائی جاتی ہیں ،لیکن پاکستان کی بہت سی دینی تحریکوں کے قائدین اور داعیانِ دین اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ان کے نزدیک پاکستانی نظام اصولی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے او رتمام تر بگاڑ نظام پر قابض حکمران طبقے کا پیداکردہ ہے۔یہ لوگ پاکستان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں اور اصلاحِ احوال کے طریقۂ کار کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں.........توپھرمصنفان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے؟خصوصاًجبکہ پاکستانی نظام کو غیر شرعی قرار دینے کے نتیجے میں تشدد،تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اُٹھنے کا امکان ہے جس سے تباہی وبربادی کے سواکچھ نہیں حاصل ہوگا

شبہات کا جواب

(۱)پہلے شبہے کا جواب یہ ہے کہ ہم دین کے نام پر استبدادی نظام کے غلبے اورفردِ واحد کی حکمرانی کی دعوت نہیں دے رہے،بلکہ اسے بھی فساد کی ایک شکل اور خلافِ اسلام سمجھتے ہیں۔ہم توامت کو شوریٰ اور عدل وانصاف کے سنہرے شرعی اصولوں کی طرف دعو ت دیتے ہیں اور تقویٰ وعملِ صالح کے علاوہ کسی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کے قائل نہیں۔ہماری دعوت امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف دعوت ہے۔ہماری تو خواہش ہے کہ حاکم ومحکوم،ادنی واعلیٰ ،قوی وکمزور،سب بلاتمیز وتفریق شریعت کے سامنے جھک جائیں،امت اپنے حکمران خود شرعی طریقۂ کار کے مطابق چنے اور پھر ان کا محاسبہ بھی اسی انداز میں کرے جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے سنہری دور میں ہواکرتا تھا۔

البتہ ہمیں اس بات کااندیشہ تھا کہ پاکستان کاحکمران طبقہ ہماری اس پاکیزہ دعوت کو قبول کرنے کے بجائے حاکمیتِ شریعت، اسلامی اخوت اور خلافتِ راشدہ کے احیاء کی کوششوں میں روڑے اٹکائے گااور قومی عصبیت ،ہوائے نفس کی حاکمیت اور وطنی ریاست کی بقاء پر اصرار کرے گا.........اور آج ہم اسی بات کی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں۔

(۲)دوسرے شبہے کاجواب یہ ہے کہ:

(الف)اس کتاب میں کوئی ذاتی رائے نہیں پیش کی گئی بلکہ دستورِ پاکستان اور پاکستانی عدالتوں کے فیصلوں ہی سے اس نظام کا اصولی اعتبار سے ایک منحرف وفاسد نظام ہونا ثابت کیا گیا ہے اور بہت سی مثالوں کے ذریعے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ پاکستانی دستور وقانون میں شرعی احکامات سے متصادم بہت سا مواد پایاجاتاہے۔

(ب)کتاب میں بیان کردہ مؤقف کا سب سے بڑا ثبوت خود پاکستان کی عملی صورتِ حال ہے۔ایک فاسددستوری وقانونی نظام پر قائم یہ ریاست اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی بد سے بدتر کی طرف گامزن ہے۔خائنِ ملت فوجی اور سیاسی قائدین یکے بعد دیگرے اسی بہانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے بدعنوانی ورشوت کا خاتمہ کرنے اٹھے ہیں،لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہرباروہی مکروہ کھیل دہرایاجاتا ہے.........یعنی پہلے سرکاری خزانے سے بھاری رشوتیں دے دے کر سیاستدانوں کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کو اپنے ساتھ ملاکر ایک نئی آئینی ترمیم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو ہرقسم کی عدالتی کاروائی اور جوابدہی سے تحفظ حاصل ہوجاتاہے۔یوں لوٹ مار اور فساد وبگاڑ کا ایک نیا

سلسلہ شروع ہوجاتا ہے ،جس کے خاتمے کے لئے جلد ہی کوئی دوسرا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

اس سب لوٹ مار کا منطقی نتیجہ یہی نکلا کہ پاکستان اب ایک کرائے کا نوکر بن کر رہ گیا ہے۔جہاں سے بھی زیادہ پیسے ملیں ،ریاستِ پاکستان اسی کو اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔چنانچہ آج پاکستان صلیبی لشکروں کا خادم بن کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کو،بلکہ اپنے آپ کو بھی تباہ کررہا ہے.........اور اس سب کے عوض حکمران طبقہ کی جیبیں رشوتوں سے بھر رہی ہیں ۔اب خود ہی بتائیے کہ کیاان سب حقائق سے انکار کرناممکن ہے؟کیاان میں کسی شک وشبہے کی گنجائش موجود ہے؟کیا پاکستان اسلام کے خلاف جنگ میں مصروف نہیں؟کیا پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں مساجد ومدارس کو طلباء وطالبات سمیت ملیا نہیں کیا گیا؟

(ج)اگرہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ تمام تر بگاڑ وفساد کا سبب محض حکومت پر قابض حکمران طبقہ ہے ،توبھی یہ سوال پیداہوتا ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مدد نہیں کی تھی ،حالانکہ وہ حکمران اِن پاکستانی حکمرانوں سے ہزارگنابہتر تھے؟کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام زید بن علی رحمہ اللہ اور پھر محمد نفسِ زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم رحمہم اللہ کی مالی امداد نہیں کی تھی؟خروج کی یہ تحریکیں تو ایسے حکمرانوں کے خلاف تھیں جو جہاد بھی کرتے تھے ،نماز بھی قائم کرتے تھے ،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی عامل تھے،شریعت کی حاکمیت اور شرعی نظام قضاء بھی قائم کررکھا تھا۔ان کا قصور تو صرف یہ تھا کہ انہوں نے اختیارات پر ناجائز طور پر قبضہ کررکھاتھااور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے

تھے.........لیکن اس کے باوجود بھی امام صاحب رحمہ اللہ نے ان کی تائید ونصرت کی ۔

پس اگر آپ کُلی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں ،تواتناتوکرہی سکتے ہیں کہ جرأتِ ایمانی کامظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی مؤقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم وفاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکارکردیں جو دشمنان، دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صادقین سے جاملنے کا حکم دیا ہے ،اہل حق کا ساتھی بن کر باطل پرستوں سے بھڑجانے ،نیکی کا حکم دینے ،برائی سے روکنےاور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دینے کی ہدایت کی ہے۔پس قبائل میں برسرپیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مدِ مقابل ڈٹے ہوئے ہیں ،بلکہ اس صلیبی اتحاد کے اساسی رکن.........پاکستانی فوج کے مظالم بھی ثابت قدمی سے برداشت کررہے ہیں۔لہٰذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا بھی یہ ہے کہ امریکہ کی وفاداراوراسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔

یہاں ہم آپ کو ایک مرتبہ پھر امام ابوبکرالجصاص الحنفی رحمہ اللہ کا وہ قول یاد دلاتے ہیں جس میں آپ حکمرانوں کو منکرات سے بزور روکنے پر اعتراض کرنے والوں پر نقد کرتے ہیں۔آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> فإنهم أنكروا قتال الفئة الباغية والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر بالسلاح، وسموا الأمربالمعروف والنهي عن المنكر فتنة إذا احتيج فيه إلى حمل السلاح وقتال الفئة الباغية، مع ما قد سمعوا فيه من قول اللہ تعالى: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى

تَفِيءَ إ لى أَمْرِ اللَّهِ وما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسيف وغيره.

وزعموا مع ذلک أن السلطان لا ينكر عليه الظلم والجور وقتل النفس التي حرم اللّٰه، وإنما ينكر على غير السلطان بالقول أو باليد بغير سلاح، فصاروا شرًّا على الأمة من أعدائها المخالفين لها؛ لأنهم أقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية وعن الإنكار على السلطان الظلم والجور.

حتى أدّى ذلک إلى تغلّب الفجار بل المجوس وأعداء الإسلام، حتى ذهبت الثغور، وشاع الظلم، وخربت البلاد، وذهب الدين والدنيا، وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب الثنوية والخرّميّة والمَزدَكِيَّة، والذي جلب ذلک كله عليهم ترک الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والإنكار على السلطان الجائر، واللّٰه المستعان".

"ان لوگوں نے باغیوں سے قتال اور مسلح قوت کے ذریعے امربالمعروف اورنہی عن المنکرکرنے کو غلط کہا ہے۔ان لوگوں کے نزدیک اگر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خاطر ضرورت پڑنے پر بھی ہتھیار اٹھائے جائیں تو یہ فتنہ ہوگا۔ اسی طرح یہ لوگ باغی گروہ کے خلاف قتال کو بھی فتنے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھی سن چکے ہیں : ”پس بغاوت کرنے والے گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے“ یہ آیت صراحت کے ساتھ تلواراور دیگر ذرائع سے قتال کرنے کو واجب قراردے رہی ہے۔

اسی طرح ان کا مؤقف ہے کہ حاکم اگر ظلم وجبر کرے اور لوگوں کو ناحق قتل کرے ،تب بھی اسے ٹوکنا درست نہیں ۔البتہ حاکم کے سوادیگر لوگوں کو زبان اور ہاتھ سے روکا جائےگا،لیکن ان کے خلاف بھی یہ تلوار اٹھانےکے قائل نہیں ۔پس

یہ لوگ اس امت کے حق میں اس کے کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں،کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم وجبر پر انکار سے روک دیا۔۔۔

ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق وفجار غالب آئے ،مجوس اور دیگر دشمنانِ اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی،اسلامی سرحدات پامال ہوئیں،ظلم پھیل گیا،بستیاں برباد ہوئیں،دین ودنیا لٹ گئے اور زندقہ،غلو اور مذاہب ثنویہ،خرمیہ اور مزدکیہ پروان چڑھے۔۔ مسلمانوں پر یہ تمام مصائب مسلط ہونے کا سبب یہی تھا کہ وہ امر بالمعروف ،نہی عن المنکر اور ظالم بادشاہ کو ظلم سے روکنا چھوڑ بیٹھے تھے ،واللّٰہ المستعان"[1]

۳۔برصغیرمیں غلبۂ اسلام کے لئے مطلوب چند عملی اقدامات

خطے کے حالات پرنگاہ ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب جنوبی ایشیامیں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص اسلام کو غلبہ نصیب ہو،چنانچہ ہم کتاب کے اختتام پر یہ کوشش کریں گے کہ اس منزل کو قریب لانے کے لئے چند عملی تجاویز قارئین کی نذر کرتے چلیں:

(الف)صحیح آگہی پیداکرنا

صحیح آگہی پیدا کرنے سے یہاں دوباتیں مقصود ہیں:

اولاً،یہ کہ پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان اپنے گردوپیش کے حالات کا درست فہم حاصل کرے اور گہرائی تک اتر کر معاملات کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے کی کوشش کرے۔

[1] أحكام القرآن للجصاص ، سورة آل عمران، باب فرض الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر ۴۲۸،۴۲۷/۳۔

پاکستان کے ہرمسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ سرزمین اور ا س کے مسلمان باسی آج ایک جدید صلیبی صہیونی جنگ کی زد میں ہیں ،جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صہیونی مہم کا حصہ ہے۔انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جس ریاست کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان''کہاجاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے،نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور)کے اعتبار سے اورنہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے ۔

زیر نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستوری وقانونی ڈھانچے کا بگاڑ واضح کیاجائے تاکہ اس شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''پاکستان کا نظام بنیادی طور پر صحیح اصولوں پرقائم ہے،لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بغاوت کرتاہے''۔لہٰذا پاکستان میں اسلام کوغالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہیے کہ ریاستِ پاکستان دوہرے بگاڑ پر قائم ہے ....اصولی اعتبار سے بھی یہاں بگاڑ ہے اور عملی لحاظ سے بھی بگاڑ!

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مروجہ سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر ریاستِ پاکستان قائم ہے کیونکہ وہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے تو یہ دعوت لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور دیگر تمام اسلامی سرزمینوں پرتنہاء شریعت ہی کی حاکمیت قائم کی جائے اور یہ حاکمیت ناقابلِ تغیروتبدل اور ناقابلِ نسخ وابطال ہو۔اس حاکمیت کو عوامی منظوری کی حاجت

نہ ہو،بلکہ یہ اکثریت کی پسند وناپسند اور ہر دستور وقانون سے بالاتر ہو،ہر وہ فیصلہ جو اس سے متصادم ہوبالاصل باطل تصور کیا جائے۔پھر اس حاکمیتِ اعلیٰ کو نظامِ سلطنت میں ایسے غیر متنازعہ اصول کی حیثیت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی ترمیم ممکن نہ ہو،بلکہ یہ اصول نظام سلطنت کے تمام شعبہ جات پر حاوی اور ہر قانونی ودستوری شق پر غالب ہو۔ حاکمیتِ شریعت کے اس الٰہی اصول کو یہ اعلیٰ وارفع حیثیت دینے کے لئے کیا عملی اقدامات کرنا مناسب ہے ....اس کے لئے علمائے شریعت اور داعیانِ دین سے رہنمائی لینی چاہیے۔

اسی طرح مسلمانانِ پاکستان کو یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اسلام کا عملی نفاذ لادین ،سیکولر اور حدودِ شرع سے آزاد لوگ کبھی نہیں کرسکتے ،یہ فریضہ تو انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پاسکتا ہے جو حقیقتاً اسلام ،صالحیت ،امانت اور تقویٰ کی صفات سے متصف ہوں۔اللہ کے دین کا نفاذ تو ایک عبادت ہے اور بھاری امانت ہے جس کی ادائیگی صرف ایسے افرادہی کرسکتے ہیں جو مخلص اور متبعِ شریعت ہوں۔وہ جج حضرات جن کی تقرری کے لئے نہ تو اسلام شرط ہے ،نہ ہی اتباعِ شریعت اور جو واضح طور پر انتشارِ فکری کا شکارہیں ....بھلا انہیں پاکستان میں شریعت نافذ کرنے کی ذمہ داری کیسے سونپی جاسکتی ہے؟

اس مسئلہ کی پیش بندی کے لئے ضروری ہے کہ دینی وشرعی علوم پڑھانے والے اداروں/مدارس میں ابھی سے ایسا نصاب تشکیل دیاجائے جس سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام قاضی ،وکیل اور اسلامی قوانین کے ماہرین بن کر شرعی قضاء ،شرعی وکالت ،تفتیش وافتاء اور قضاء سے متعلق دیگر اہم خدمات سرانجام دے سکیں۔

پھر ہر صاحبِ بصیرت یہاں یہ سوال اٹھائے گا کہ کیا یہ سب کچھ بہت بنیادی تبدیلی اور نہایت انقلابی اقدامات اٹھائے بغیر بھی ممکن ہے؟

تاریخ کے مطالعے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انسانی معاشروں اور اقوام میں بگاڑ جڑوں تک سرائیت کرجائے اور علاقوں کے طول وعرض میں فساد پھیل جائے توبالعموم کسی بہت بڑی انقلابی تحریک کے بغیر اصلاحِ احوال مشکل ہوتاہے۔ایسے میں کیا یہ کوئی ممکن امرنظرآتا ہے کہ عالمی صلیبی طاقتیں اوران کا ہراول دستہ ....یعنی پاکستانی سیاستدان اور فوجی افسران پر مشتمل خائن ومفسد ٹولہ ....پاکستان پر سے اپنی گرفت چھوڑ دیں گے اورانہیں ہٹانے کے لئے کسی زور دار مزاحمت اور قوی مقاومت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟

ثانیاً،یہ کہ یہ شعور وآگاہی معاشرے میں عام کی جائے تاکہ مطلوبہ تبدیلی لانے کے لئے ایک عوامی تحریک وجود میں آئے جو درست بنیادوں (یعنی شریعت کے عمیق علم اور حالات کے درست فہم)پر کھڑی ہواور بہت سی تحریکوں کی طرح کانفرنسز کے سرابوں میں او رسیاست کی دہلیزوں پر خاک نہ چھانتی پھرے۔

(ب)صلیبی یلغار کے مدمقابل ڈٹی جہادی تحریکوں کی معاونت

آج ہر اس جہادی تحریک کا ساتھ دینا لازم ہے جو عالمِ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی حالیہ صلیبی جنگ،بالخصوص پاکستان وافغانستان پر امریکی صلیبی یلغار کے بالمقابل کھڑی،دفاعِ دین وملت میں مصروف ہے۔ان تحریکات کا ساتھ دینا دو وجوہات سے لازم ہے:

اولاً،یہ کہ افغانستان وپاکستان سے صلیبی حملہ آوروں کو نکالنا ہر پاکستانی پر فرضِ عین ہے۔یہ شریعت کا ایک واضح حکم ہے جس کی

نشرواشاعت ،وضاحت اور تلقین نہایت اہم ہے۔ ۸۰ء کی دہائی میں بہت سے پاکستانی علماء نے یہ فتویٰ صادر کیاتھا کہ تمام اہلِ پاکستان وافغانستان پر جہادِ افغانستان میں شمولیت فرضِ عین ہے اور بوقتِ ضرورت فرضیت کا یہ دائرہ وسیع ہوکر پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔اگر کل روس کے آنے پر یہ جہاد فرض عین تھا تو آج صلیبی امریکیوں کے میدان میں اترنے پر حکم میں کیسے فرق ہوسکتا ہے؟ بالخصوص جب کہ اس جنگ کا دائرہ روس کے دور سے زیادہ وسیع ہے۔وہ تو صرف افغانستان پر قابض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے پاکستان میں بھی اپنے بڑے بڑے اڈے قائم کرلیے ہیں۔

ثانیاً،یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ آج پاکستان میں عملاً امریکہ ہی کی حکومت اور اسی کا نفوذ وغلبہ ہے،اور یہ امریکہ ہی ہے جس کے حکم پر اس سرزمین سے اٹھنے والی ہر دینی تحریک کو کچلاجاتاہے۔لہٰذا جب تک امریکہ کو پاکستان وافغانستان سے نابود کرکے پاکستان کو امریکی غلامی سے آزاد نہیں کروایاجاتا،یہاں اصلاحِ احوال ناممکن ہے۔

(ج)نفاذِ شریعت کی کوششوں کی تقویت

صدق وامانت کی صفات سے متصف ہر اس صالح گروہ اور جماعت کو ہر ممکن طریقے سے مضبوط کیا جائے جو اپنے علاقوں میں نفاذِ شریعت کے لئے کوشاں ہو۔ایسے گروہوں کی بھرپور مدد کی جائے تاکہ ان کا اثر ورسوخ چہار اطراف پھیل سکے اور وہ اپنے خلاف مسلط کی گئی تباہ کن جنگ کا جم کرمقابلہ کرسکیں۔

(د)تمام شعبہ ہائے دین کی دعوت اور عوام کی دینی تربیت کا اہتمام

دعوتِ دین کے تمام پہلو اجاگر کئے جائیں اور عوام کی تربیت اس نہج پر کی جائے کہ وہ عقائد ،سلوک اور سیاست میں درآنے والے بگاڑ سے دامن چھڑا کر اپنے آپ

کو شرعی آداب واخلاق اور اسلامی عقائد واحکام سے مزین کریں۔نیز ہرمسلمان کے سامنے یہ بات واضح کی جائے کہ موجودہ کشمکش میں اپنی طاقت ووسعت کے مطابق حصہ لینا اور اپنے حصے کی ذمہ داری اداکرنا ایک مؤکدہ فرض ہے۔بالخصوص داعیانِ دین میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ خائنینِ ملت اور مفسدین فی الارض کے پھیلائے ہوئے فساد وبگاڑ اور ظلم وانحراف کے خلاف ڈٹ کر کھڑاہونا ان کافرضِ منصبی ہے۔پھر یہ انہی داعیان دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام المسلمین میں مزاحمت کی روح بیدار کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ان کا یہ عمل افضل ترین جہاد کے زمرے میں داخل ہے،جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر''.

''افضل ترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے''۔[1]

[1] تفسیرابن کثیر، المائدة الآیات ۷۸ الی ۸۱، ۸۵/۲، المستدرک علی الصحیحین،کتاب الفتن والملاحم، حدیث رقم ۴۳۸۵، ۵۵۱/۴،مجمع الزوائد،باب الکلام بالحق عندالحکام۲۷۲/۷، سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم،باب الأمر والنهی،حدیث رقم: ۴۴۴۳،۱۲۴/۴،سنن ابن ماجہ،کتاب الفتن،باب الأمر بامعروف والنهی عن المنکر،حدیث رقم:۴۰۱۱و ۴۰۱۲،۱۳۲۹/۲، مسند أحمد،مسندأبی سعید الخدری، حدیث رقم۱۱۱۵۹،۱۹/۳،مسند الحمیدی،الجزء السابع أهادیث أبی سعید الخدری،حدیث رقم ۷۵۲،۳۳۱/۲،مسندأبی یعلی،مسندأبی سعید الخدری،حدیث رقم ۱۱۰۱،۳۵۲/۲،۳۵۳،مسند ابن الجعد،حماد بن سلمة،حدیث رقم: ۳۳۲۶ ،۴۸۰/۱ ،مسند عبد بن حمید،من مسندأبی سعید الخدری، حدیث رقم۸۶۴ ،۳۳۱/۲،المعجم الکبیر للطبرانی،ماأسند أبوأمامة،من روی عن أبی أمامة من أهل البصرة، حدیث رقم: ۸۰۸۰و۸۰۸۱، ۲۸۱/۸،۲۸۳،مسندالشهاب،أفضل الجهاد کلمة حق عندأمیر جائر،حدیث رقم:۱۲۸۶و۱۲۸۸، ۴۲۷/۲،۴۲۸،شعب الایمان، الثانی والخمسون من شعب الایمان وهو باب فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر،۹۳/۶ والسابع والخمسون من شعب الایمان وهو باب فی حسن الخلق، فصل فی ترک الغضب وکظم الغیظ والعفو عندالقدرة،حدیث رقم:۸۲۸۹،

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے ''حسن غریب ''ہے۔[2]

(۶)جہاد فی سبیل اللہ

پاکستان او دیگر مسلم علاقوں میں بسنے والے ہر غیرت مند مسلمان کو یہ حقیقت بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ شریعت کا نفاذ،حقیقی اسلامی نظام کا قیام ،صالح وامین قیادت کاظہور ،اسلام کی صحیح دعوت کا فروغ اور ایمانی محبت وباہمی تعاون پر مبنی پاکیزہ معاشرہ ،عفت وعصمت کے محافظ مضبوط مسلم گھرانے اور صالح مسلم فردکا وجود میں آنا.........یہ سب نہ توجہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ہونا ممکن ہے ،نہ ہی جہاد کے بغیر ان کا باقی رہنا اور اپنے وجود کی حفاظت کرنا ممکن ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾(البقرۃ:۲۵۱)

''اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوںکو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھرجاتی ،لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بہت فضل واحسان کرنے والا ہے''۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین ، وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم.

مراجع ومصادر

٣٠٩/٦،٣١٠،التمهيد لابن عبدالبر ٢٨٦/٢١

[2] سنن الترمذی،كتاب الفتن، باب ماجاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر،هديث رقم ٢١٧٤،٤٧١/٤،كشف الخفاء، هرف الهمزة، حرف الهمزة مع الفاء،حديث رقم:٤٥٧،١٧٣/١

کتب کو ترتیبِ ہجی کے مطابق مرتب کیا گیا ہے ۔ ہرکتاب کی طباعت کا بھی اندراج کردیا گیا ہے تاکہ ڈھونڈنے میں آسانی ہو،کسی قسم کا نقص رہ جانے کی صورت میں ، میں معزز قارئین سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ تصنیف کے دوران میں دربدری اور سکون نہ ملنے کا شکار رہا،پس اللہ تعالیٰ ہی کی رضامطلوب ہے اور بیشک وہی راہ راست کی جانب ہدایت دینے والا ہے۔

١۔الأحاديث المختارة، لضياء الدين أبی عبداللّٰہ محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلی المقدسی، مكتبة النهضة الحديثة، مكة المكرمة، سنة ١٤١٠ھ، الطبعة الأولى. نقلاً عن :المكتبة الألفية للسنة النبوية(الاصدار ١،٥)،مركز التراث للأبحاث الحاسب الآلي،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٢.أحكام القرآن،لأحمدبن على الرازى الجصاص أبي بكر،دار احياء التراث العربی، بيروت، سنة١٤٠٥ھ. نقلا عن:مكتبة التفسير وعلوم القرآن، مركزالتراث للأبحاث الحاسب الآلی، ١٤١٩ھ -١٩٩٩م،عمان

٣.أضواء البيان، للشيخ محمدأمين الشنقيطی.

٤.اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم، لأحمد بن عبدالحليم بن تيمية الحرانی أبی العباس، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، سنة ١٣٦٩ھ ،الطبعة الثانية. نقلًا عن:مؤلفات شيخ الاسلام ابن تيمية(الاصدارالثانی)،مركز التراث للأبحاث الحاسب الآلی،١٤٢١ھ - ٢٠٠٠م،عمان.

٥.الأم،لمحمد بن ادريس الشافعی أبی عبداللّٰہ، دارالمعرفة،بيروت،سنة١٣٩٣ھ،الطبعة الثانية. نقلًا عن:المكتبة الألفية للسنة النبوية(الاصدار١،٥)،مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ١٤١٩ھ -١٩٩٩م، عمان.

٦.بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،لعلاء الدین الکاسانی، دارالکتاب العربی،بیروت، سنة١٩٨٢م،الطبعة الثانیة. نقلاً عن:مکتبة الفقة وأصولہ(الاصدار ١،٥)مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ -١٩٩٩م،عمان.

٧.البدایة والنهایة، لاسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی أبی الفداء، مکتبة المعارف،بیروت. نقلاً عن:مکتبة التاریخ والحضارة الاسلامیة، الاصدار الأول، ١٤١٩ھ - ١٩٩٩م،مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،عمان.

٨.تاریخ الأمم والمملوک،لمحمد بن جریر الطبری أبی جعفر، دارالکتب العلمیة، بیروت، سنة١٤٠٧ھ،الطبعة الأولی. نقلاً عن:مکتبة التاریخ والحضارة الاسلامیة،الاصدار الأول،١٤١٩ھ -١٩٩٩م،مرکزالتراث لأبحاث الحاسب الآلی،عمان.

٩.تاریخ الخلفاء،لعبدالرحمن بی أبی بکر الصیوطی، مطبعة السعادة، مصر،سنة١٣٧١ھ-١٩٥٢م،الطبعة الأولی.نقلاًعن:مکتبة التاریخ والحضارة الاسلامیة،الاصدار الأول،١٤١٩ھ - ١٩٩٩م، مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، عمان.

١٠.تفسیر القرآن العظیم،لاسماعیل بن عمربن کثیرالقرشی أبی الفداء، دارالفکر،بیروت،١٤٠١ھ. نقلاًعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة(الاصدار١،٥)،مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ١٤١٩ھ - ١٩٩٩م، عمان.

١١.التقریر الاستراتیجی العربی لسنة ١٩٩٣م،مرکز الدراسات السیاسیة والاستراتیجیة بالأهرام، القاهرة، ١٩٩٤م.

١٢.الجامع لأحکام القرآن،لمحمدبن أحمد بن أبی بکر بن فرح القرطبی أبی عبداللہ، دار الشعب،القاهرة،سنة ١٣٧٢ھ، الطبعة الثانیة.نقلاً عن:المکتبة الألفیة

للسنةالنبوية(الاصدار١،٥)،مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

١٣.جامع البيان عن تأويل آي القرآن، لمحمد بن جرير بن يزيد بن خالد الطبری أبی جعفر، دار الفكر،بيروت،سنة ١٤٠٥ھ.نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار ١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

١٤.الجامع الصحيح سنن الترمذی، لمحمدبن عيسی أبی الترمذی السلمی،داراحياءالتراث العربی،بيروت نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

١٥.الجامع الصحيح المختصر،لمحمدبن اسماعيل أبی عبداللہ البخاری الجعفی،دار ابن كثير، اليمامة،بيروت، سنة١٤٠٧ھ.نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار ١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

١٦.الحريةأو الطوفان،دراسة موضوعية للخطاب السياسی الشرعی ومراحلہ التاريخية، للدكتور حاكم المطيری،٢٠٠٣م.

١٧.زاد المنتهی شرح الجامع الترمذی،للشيخ المفتی محمود،اعداد المفتی خالد شاہ جهانكيروی، باشراف الشيخ الشيخ شيرعلی شاہ المدنی، الجامعة الحقانية، كلية الحديث وعلومہ،١٤١٥ھ.

١٨.السلسلة الصحيحة،لمحمد ناصرالدين الألبانی، برنامج منظومة التحقيقات الحديثية المجانی، من انتاج مركز نور الاسلام لأبحاث القرآن والسنة بالاسكندرية.نقلًا عن موسوعة المكتبة الشاملة، الاصدارالثانی، http://www.waqfeya.net/shamela

۱۹.سنن ابی داؤد، لسلیمان بن الأشعت أبی داؤد السجستانی الأزدی، دار الفکر. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۲۰.سنن البیھقی الکبری، لأحمد بن الحسین بن علی بن موسی أبی بکر البیھقی، مکتبة دار الباز، مکة المکرمة، سنة ۱۴۱۴ھ-۱۴۹۴م. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۲۱.سنن سعید بن منصور، لسعید بن منصور، دار العصیمی، الریاض، سنة۱۴۱۴ھ،الطبعة الأولی. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۲۲.سیرأعلام النبلاء، لمحمد بن أحمد بن عثمان بن قایماز الذھبی أبی عبداللہ، مؤسسة الرسالة،بیروت، سنة ۱۴۱۳ھمالطبعة التاسعة. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۲۳.سیرة ابن ھشامم من موقع الاسلام،http://www.al—islam.com.نقلًا عن موسوعة المکتبة الشاملة، الاصدارالثانی،http://www.waqfeya.net/shamela

۲۴.شعب الایمان،لأبی بکر أحمد بن الحسین البیھقی دار الکتب العلمیة، بیروت،سنة ۱۴۱۰ھ، الطبعة الأولی. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۲۵.صحیح وضعیف سنن أبی داؤد،لمحمد ناصرالدین الألبانی، برنامج منظومة التحقیقات الحدیثیة المجانی، من انتاج مرکز نور الاسلام لأبحاث القرآن والسنة

بالاسکندریة.نقلًا عن موسوعة المکتبة الشاملة، الاصدارالثانی، http://www.waqfeya.net/shamela

۲۶.صحیح مسلم،لمسلم بن الحجاج أبی الحسین القشیری النیسابوری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، سنة۱۴۰۵ھ. نقلًا عن:مکتبة التفسیر وعلوم القرآن، مرکزالتراث للأبحاث الحاسب الآلی، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۹م،عمان

۲۷.الطبقات الکبری، لمحمدبن سعدبن منیع أبی عبداللّٰہ البصری الزھری، دار صادر،بیروت. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۲۸.عمدة التفسیر مختصر تفیسر ابن کثیر، للشیخ أحمد شاکر.

۲۹.فتح الباری شرح صحیح البخاری، لأحمد بن علی بن حجر أبی الفضل العسقلانی الشافعی، دار المعرفة بیروت،سنة ۱۳۷۹ھ. نقلًاعن:المکتبة الألفیة للسنة النبویة (الاصدار۱،۵).مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م،عمان.

۳۰.فتح القدیر الجماع بین الروایة والدرایة من علم التفسیر، لمحمد بن علی الشوکانی، دار الفکر،بیروت،نقلًاعن:المکتبةعلماء الاسلام، الاصدارالأول.مرکز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱م،عمان.

۳۱.الفصل فی الأھواء والملل والنحل، لأبی محمد بن حزم.

۳۲.الکامل فی التاریخ، لمحمد بن عبدالواحد الشیبانی أبی الحسن عز الدین ابن الأثیر، دارالکتب

العلمية،بيروت،سنة ١٤١٥ھ-١٩٩٥م،مركزالتراث لأبحاث الحاسب الآلى،عمان.

٣٣.كتاب الروضتين فى أخبار الدولتين النورية والصلاحية،لشهاب الدين عبدالرحمن بن اسماعيل بن ابراهيم المقدسى الدمشقى، مؤسسة الرسالة،بيروت،سنة ١٩٩٧م،الطبعة الأولى.نقلًا عن:مكتبة التاريخ الحضارة الاسلامية، الاصدار الأول١٤١٩ھ-١٩٩٥م،مركزالتراث لأبحاث الحاسب الآلى،عمان.

٣٤.كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الأحاديث على السنة الناس، لاسماعيل بن محمد العجلونى الجراحى،مؤسسة الرسالة، بيروت،سنة ١٤٠٥ھ،الطبعة الرابعة. نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار ١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلى،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٣٥.كلمة حق:مرافعة الشيخ عمر عبدالرحمن فى قضية الجهاد للشيخ عمر عبد الرحمن، منبر التوحيد والجهاد. www.tawhed.ws,www.alsunnah.info,www.almaqdese.com

٣٦.كنزالعمال،للمتقى الهندى.نقلًا عن موسوعة المكتبة الشاملة، الاصدارالثانى، http://www.waqfeya.net/shamela

٣٧.مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، لعلى بن ابى بكر الهيثمى، دار الريان للتراث و دار الكتاب العربى، القاهرة وبيروت. نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار ١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلى،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٣٨.مجموع الفتاوى، لأحمد عبدالحليم بن تيميةالحرانى أبى العباس، مكتبة ابن تيمية، القاهرة نقلًاعن:المكتبة

الفقة وأصولہ (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٣٩.المحلى،لعلى بن أحمد بن سعيد بن حزم الطاهرى أبى محمد، دار الآفاق الجديد،بيروت. نقلاًعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤٠.المستدرک على الصحيحين،لمحمد بن عبداللّٰہ أبى عبداللّٰہ الحاكم النيسابورى، دارالكتب العلمية،بيروت،سنة١٤١١ھ-١٩٩٠م،الطبعةالأولى. نقلاًعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤١.مسندأبى يعلى،لأحمد بن على بن المثنى أبى يعلى الموصلى التميمى، دار المأمون للتراث، دمشق،سنة ١٤٠٤ھ-١٩٨٤م،الطبعةالأولى. نقلاًعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤٢.مسند الامام أحمد بن حنبل أبى عبداللّٰہ الشيبانى، مؤسسة قرطبة،مصر .نقلاًعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلی، ١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤٣.مشكاة المصابيح،لمحمد بن عبداللّٰہ الخطيب التبريزى، المكتب الاسلامى، بيروت،الطبعة الثالثة، ١٤٠٥ ھ-١٩٨٥م،تحقيق مهمد ناصر الدين الألبانى. نقلاً عن موسوعة المكتبة الشاملة، الاصدارالثانى، http://www.waqfeya.net/shamela

٤٤.المصنف، لأبى بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانى، المكتب الاسلامى، بيروت،١٤٠٣ھ،الطبعة الثانية.

نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلى،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤٥.المعجم الأوسط،لسليمان بن أحمد بن ايوب أبى القاسم الطبرانى، دارالحرمين، القاهرة،سنة١٤١٥ھ. نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلى،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤٧.المعجم الكبير، لسليمان بن أحمد بن ايوب أبى القاسم الطبرانى، مكتبة العلوم والحكم،الموصل، الموصل،سنة١٤٠٤ھ-١٩٨٣م الطبعة الثانية. نقلًاعن:المكتبة الألفية للسنة النبوية (الاصدار١،٥).مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلى،١٤١٩ھ-١٩٩٩م،عمان.

٤٨.معرفةالسنن والآثار، لأبى بكر أحمد بن الحسين بن على بن عبداللہ بن موسى الخسرو جردى البيهقى،مصدرالكتاب :موقع جامع الحديث، http://www.alsunnah.com. نقلًا عن موسوعة المكتبة الشاملة، الاصدارالثانى، http://www.waqfeya.net/shamela

٤٩.منهاج النسةالنبوية،لأحمد بن عبدالحليم بن تيمية الحرانى أبى العباس،مؤسسة قرطبة،سنة١٤٠٦ھ،الطبعة الأولى.نقلًا عن:مؤلفات شيخ الاسلام ابن تيمية (الاصدار الثانى)، مركز التراث لأبحاث الحاسب الآلى، ١٤٢١ھ-٢٠٠٠م،عمان.

٥٠.
THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN [As modified upto the 31st July, 2004], NATIOANAL ASSEMBLY OF PAKISTAN.

٥١.

THE CONSTITUTION OF PAKISTAN 1973, With Commentary, By M. RAFIQ BUTT, 2007, Mansoor Book House, Lahore.

.۵۲

IN THE LINE OF FIRE , A MEMOIR, By PERVEZ MUSHARRAF, published by Simon Schuster UK, 2006.

پاکستان کے ہرمسلمان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ یہ سرزمین اور ا س کے مسلمان باسی آج ایک جدید صلیبی صہیونی جنگ کی زد میں ہیں،جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمگیر صلیبی صہیونی مہم کا حصہ ہے۔انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جس ریاست کو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان''کہاجاتا ہے وہ کسی طور بھی اسلامی نہیں ہے،نہ تو اپنی نظریاتی اساس (یعنی دستور)کے اعتبار سے اورنہ ہی اپنے عملی تصرفات کے اعتبار سے۔

زیر نظر کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ پاکستان کے بنیادی دستوری وقانونی ڈھانچے کا بگاڑ واضح کیاجائے تاکہ اس شبہے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''پاکستان کا نظام بنیادی طور پر صحیح اصولوں پرقائم ہے،لیکن سارے بگاڑ کا سبب وہ حکمران طبقہ ہے جو ان اصولوں سے بغاوت کرتاہے''۔لہٰذا پاکستان میں اسلام کوغالب دیکھنے کے خواہش مند ہر فرد کو جان لینا چاہیے کہ ریاستِ پاکستان دوہرے بگاڑ پر قائم ہے.........اصولی اعتبار سے بھی یہاں بگاڑ ہے اور عملی لحاظ سے بھی بگاڑ!

یہ حقیقت تسلیم کرنے کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ بھی مانا جائے کہ انتخابات اور مروجہ سیاسی ذرائع کے ذریعے قیادت بدلنے سے پاکستان میں اصلاح ممکن نہیں۔پہلے تو اس اساس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے جس پر ریاستِ پاکستان قائم ہے کیونکہ وہی اسلام سے متصادم ہے۔

لہٰذا اولاً یہ دعوت لے کر اٹھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان اور تمام دیگر اسلامی سرزمینوں پر

یونی کوڈ ورژن:

انٹرنیٹ ایڈیشن :

مسلم ورلڈڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.co.nr

http://tawhed.co.nr